بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شامِ زندگی

تصنیف

مصورِ غم علامہ راشد الخیری مدظلہ

یادگار شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد مرحوم

جسے

ملا محمد الواحدی دہلوی

نے

بماہ ربیع الاول ۱۳۴۴ ہجری النبوی مطابق اکتوبر ۱۹۲۵ عیسوی

بارہویں مرتبہ

اپنے درویش پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

قیمت [illegible]

اطلاع

شام زندگی کے تمام حقوق ہمیشہ کے لیے علامہ راشد الخیری مدظلہ نے مجھے دیدیئے ہیں۔ کوئی صاحب اسے یا اس کے کسی حصہ کو بطور خود چھاپنے اور شائع کرنے کا ہرگز قصد نہ فرمائیں ورنہ اخلاقی قانونی جرم کے مرتکب قرار پائیں گے۔ تاجران کتب اس سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو انہیں معقول کمیشن مل سکتی ہے۔

جس کتاب پر راقم الحروف کے دستخط نہ ہوں گے وہ مسروقہ سمجھی جائے گی۔

خاکسار محمد الواحدی اڈیٹر نظام المشائخ پوسٹ بکس ۵۱ دہلی

تصنیفات مصور غم علامہ راشد الخیری مدظلہ

صبح زندگی عمہ/	جوہر قدامت عمہ/	آفتاب دمشق ۱۲/	اعمالنامے ۸/
شام زندگی عمہ/	یاسمین شام عمہ/	موودہ ۸/	سنجوگ ۱۰/
شب زندگی حصہ اول عہ/	تیغ کمال عمہ/	بنت الوقت ۸/	گوہر مقصود ۹/
شب زندگی حصہ دوم عہ/	سمرنا کا چاند عمہ/	سراب مغرب ۸/	در شہوار ۱۰/
نوحہ زندگی ۱۲/	منازل السائرہ عہ/	فسانہ سعید ۸/	شاہین و دراج ۸/
امت کی مائیں عہ/	ماہ عجم عمہ/	تائید غیبی ۸/	انگوٹھی کا راز ۸/
الزہرا ۱۲/	عروس کربلا عمہ/	لڑکیوں کی انشا ۱۲/	جوہر عصمت ۶/
قطرات اشک عمہ/	محبوبہ خداوند ۱۲/	سوکن کا جلاپا ۶/	روداد قفس ۶/

سب کتابوں کے ملنے کا پتہ: منیجر نظام المشائخ پوسٹ بکس نمبر ۵۱ دہلی

خاتونہ کا جہیز

کہنے کو تو کل کی بات ہے، مگر آج آٹھ برس ہونے آئے کہ عم مغفور شمس العلما مولوی نذیر احمد صاحب نے دوران گفتگو میں تعلیم نسواں پر بحث کرتے ہوئے صبح زندگی کی ضرورت ظاہر کی، اظہار خیال کی دیر تھی۔ چاروں طرف سے تقاضے ہونے شروع ہو گئے کوئی تکمیل کتاب کا خواہشمند تھا، کوئی حق تصنیف کا طالب، مگر جنس گراں تھی اور بازار مندا۔ گمان غالب یہ تھا کہ دھندا چلنے والا نہیں۔ میں جس طرح توسیع تعلقات کا چور ہوں اسی طرح میل ملاقات سے بیزار۔ ذاتی اہتمام میرے بس کا کام نہ تھا۔ اتنی ہمت نہ تھی کہ کتاب لکھوں اور اسے اونے پونے ٹال دوں مگر مخزن مرحوم واللہ اللہ کیا دن تھے کہ پھر نہ آئے اور کیا راتیں تھیں کہ دوبارہ نہ پلٹیں۔ قدردانی کے قدموں سے آگے بڑھا اور میدان ادب میں اپنے پاؤں گاڑے کہ صبح زندگی لکھوا کر چھپا چھوڑا۔ کتاب کا پہلا حصہ ختم ہو گیا، مگر کچھ ایسی افتاد آ کر پڑی کہ مخزن وہ مخزن ہی نہ رہا۔ میں بصد حسرت و یاس دوسرا حصہ ذہن میں لئے ایک گوشہ میں پڑ رہا۔ دل بھڑکتا تھا۔ طبیعت بےچین ہوتی تھی، مگر زمانہ کی رفتار باواز بلند کہہ رہی تھی کہ نہ مخزن زندہ ہو کر آئے گا نہ صبح زندگی کا دوسرا حصہ پورا ہوگا۔ درخواستیں بہت تھیں۔ فرمائشوں کا ڈھیر تھا۔ مگر سب ناقص اور ادھوری دفعتہً میاں **واحدی** سلمہ کی دو برس کی پیاری بچی **زاہدہ خاتون** ننھے ننھے ہاتھ اٹھا کر کلیجہ سے آ کر چمٹی۔ بچی خالی خولی نہیں بھری پُری تھی آنکھیں بھر لائیں۔ گردن لٹکائی، اور اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں جس کا سمجھنے والا میرے

سوائے کوئی نہ تھا۔ اپنے حق کی طالب ہوئی۔

ہماری بچیوں کی حالت۔ غیروں کا کیا شکوہ کرا رہتے ہیں کون سی اچھی کر پیاری بچی خاتون خدا اس کی عمر دراز کرے آج گھر بھر کا کھلونا ہی مگر آ رہا ہے وہ وقت کہ چھوٹے بھائیوں کے کام اور گھر بھر کا انتظام اس کی زندگی کا عین مقصد ہوگا، اور وہ دن بھی دور نہیں۔ جب یہ بنگلے کی مینا جو آج چاروں طرف گنگنے بن میں باتیں ملکاتی پھرتی ہی اپنا کوارتہ پورا کر ماں باپ کی چوکھٹ سے پالکی میں سوار ہو اپنی سسرال پہنچے۔

ننھی ننھی چوڑیاں پہننے والی خاتون۔ خدا تجھے نظر بد سے بچائے۔ میکے کے دن اب ختم ہوئے۔ ماں باپ کو ہزاروں کے زیور دینا نصیب مگر شام زندگی تیرے جہیز کا سب سے بیش بہا زیور ہی۔ خدا باعتبار اعمال و افعال تجھکو دوسری نسیمہ ثابت کرے، میں اس وقت نہ ہوں گا، مگر یہ کتاب موجود ہوگی، شام زندگی تجھکو میری صورت اور یہ دن یاد دلائے گی۔

الہ العالمین اپنے حبیب کے طفیل سے وہ وقت جلد لا کہ خاتون اس کتاب کی بہار دیکھے۔ شام زندگی اس کا دستور العمل اور الخلق عیال اللہ اسکا نیک عمل ہو۔

راشد الخیری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وہ تو خدا بیچاری پھوپھی کا بھلا کرے کہ اس نے روزے نماز کے ساتھ تمام دنیا کے نشیب و فراز اور شادی کا اصلی راز اچھی طرح بھتیجی کو سمجھا دیا تھا۔ ورنہ بی سعید جیسی ساس کے ہاتھوں نسیمہ کی وہ مٹی پلید ہوتی کہ شاید جان کے لالے پڑ جاتے۔

سسرال میں قدم دھرتے ہی نسیمہ کا پہلا کام یہ تھا کہ وہ شوہر کی عادت و خصائل سے جس قدر جلد ممکن ہو کما حقہ واقف ہو جائے۔ چنانچہ اس ٹٹول میں اس کو زیادہ وقت نہ لگا مگر واقف ہو کر سب سے بڑی مشکل یہ پیش آئی کہ بعض باتوں میں دونو میاں بیوی کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا، حالانکہ وہ شب و روز صرف اس کوشش میں سرگرم رہتی کہ جس طرح ممکن ہو یا میں میاں کی ہم خیال ہو جاؤں، یا اس کو اپنے موافق بنا لوں۔ تاکہ وہ آئے دن کے جھگڑے جو عام گھروں میں برپا ہوتے ہیں اور جن کی بڑی وجہ اگر غور کیا جائے تو محض میاں بیوی کے خیال کی مخالفت ہوتی ہے قطعاً نیست و نابود ہو جائیں۔ مثلاً بیوی کو سرخ رنگ زیادہ پسند ہے۔ لیکن میاں کو اس سے قطعی نفرت، تو ظاہر ہی کہ بیوی اپنی رغبت کی وجہ سے اکثر اس رنگ کا استعمال کرے گی، مگر بجائے اس کے کہ وہ لباس شوہر کو اچھا معلوم ہو، زہر دکھائی دیگا۔ یا ایک بیوی ہی کہ ہر وقت اپنے کسی عزیز کی تعریف میں مصروف ہی اور شوہر اس کو پسند نہیں کرتا۔ لیکن اس خیال سے کہ بیوی کو ناگوار نہ ہو

اس کے سامنے کچھ کہتا بھی نہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ یہی تذکرہ ناگوار ہوتے ہوتے نفرت کی حد کو پہنچ جائے گا اور اس طرح شوہر کے دل میں یہ بیج پرورش پا کر ایک زمانہ میں خاصا اچھا گھن دار درخت ہوگا اور یہ بیل کا بیل بڑھتے بڑھتے بچھڑا اور پھر سانڈ بنے گا۔ اس لیے بیویوں کا پہلا فرض یہ ہونا چاہیے کہ وہ یا شوہر کو اپنا ہم خیال کریں یا خود اس کی ہم خیال ہوں اور کسی طرح خیال کی مخالفت کا خاتمہ ہو۔ یہی تھا وہ اصول جس پر نسیمہ کی زندگی کا دارومدار تھا۔ لیکن ایک بڑی ٹیڑھی کھیر یہ تھی کہ بعض معاملات میں فریقین کے خیالات میں بعد المشرقین تھا۔ نسیمہ نماز کی ایسی پابند کہ موقع ملے تو تہجد و اشراق تک نہ چھوڑے۔ قسیم اس نام سے ایسا بیزار کہ بس چلے تو عید بقرعید کی بھی صاف اڑا جائے۔ اس میں تو البتہ نسیمہ کو کچھ سوچنا پڑا ورنہ بہت سی چھوٹی باتیں ایسی تھیں کہ اس نے زبردست قربانی کی اور شوہر کو کچھ کہہ سکنے کا بھی موقع نہ دیا۔ وہ رنگین کپڑوں کی بچپن سے دلدادہ تھی مگر اتنا پتہ لگتے ہی کہ قسیم کو نفرت ہے اس نے یکلخت سفید لباس اختیار کر لیا، حالانکہ چاروں طرف سے اس پر بوچھاڑ شروع ہو گئی۔ بعض نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ بیٹی تم کو وہم نہیں آتا۔ قسیم زیور پسند نہ کرتا تھا۔ نسیمہ نے جہیز کا زیور تیسرے دن سے جو صندوقچہ کے سپرد کیا تو پھر پہننے کا نام نہ لیا۔ یہاں تک تو کام آسانی سے نکلا، مگر مذہب کے متعلق جب ٹٹولا میاں کو خدا سے کوسوں دور پایا۔ خود لامذہب ہونے کے قابل نہیں میاں کو خدا دکھا دینے کے لائق نہیں۔ رات دن سوچتی اور کچھ نہ کر سکتی۔ کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ قسیم نے بیوی سے کوئی مشورہ کرنا چاہا مگر یہ دیکھ کر وہ نماز پڑھ رہی ہے خاموش چلا گیا۔ نسیمہ اس خاموشی پر خاموش نہ ہوئی۔ بلکہ اس کو اندیشہ ہوا اور کچھ غلط بھی نہ ہوا کہ یہ خاموشی ایک دن رنگ لائے گی اور اگر اس کا علاج نہیں کرتی تو نہ معلوم یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے۔ فکر میں تو وہ شروع ہی سے تھی مگر ہمت پڑتی تھی کہ اس معاملہ پر شوہر سے گفتگو کرے۔ ایک دن دوپہر کے وقت کسی بات کا یقین دلانے کے لئے قسیم نے دوران گفتگو میں بیوی کے سامنے خدا کی قسم کھائی۔ بھلا اس سے اچھا موقع اور کون سا مل سکتا تھا۔ خدا کا نام میاں کی زبان سے سنتے ہی نسیمہ سنبھل بیٹھی دل کڑا کیا، اور بسم اللہ کہکر پوچھا۔ تم نے اپنی بات کا یقین دلانے کے لئے ایسا نام لیا کہ مجھکو فوراً یقین آگیا۔ مگر تم اس نام کو ایسے موقعوں کے سوا کسی اور وقت بھی یاد کرتے ہو۔

قسیم میں مسلمان ہوں، مسلمان کی گود میں بڑھا، مسلمان ماں کے دودھ سے پلا۔ مسلمان گھر میں پرورش پائی، مسلمانوں میں رہا سہا، بھلا پھر میں خدا کو کیوں نہ جانونگا کیا تم مجھے مسلمان نہیں سمجھتیں۔

نسیمہ توبہ توبہ میں اس قسم کا فتوے دینے والی کون، مگر میرے سوال کا جواب تو ہنسی میں نہ ٹالو، بڑی مشکل سے تو ہاتھ آئے ہو خدا کے جاننے اور ماننے کا ذکر نہیں ہے سوال یہ ہے کہ ایسے موقعوں کے سوا اور بھی کبھی یاد کرتے ہو۔

قسیم۔ ضرور کرتا ہوں۔

نسیمہ۔ کب، کس وقت، کس طرح ؟

قسیم رات کو، سوتی دفعہ، اپنے دل میں۔

نسیمہ۔ کس طرح کا جواب نہیں ملا۔

قسیم (ہنسکر) ملانی جی تم تو جان ہی کو آگئیں، کہہ تو رہا ہوں، دل میں اس کی بزرگی اور عظمت کا اقرار کرتا ہوں۔

نسیمہ۔ ہاں یوں کہو، پھر اس کی عظمت کا اقرار ہے تو اس کے احکام کی تعمیل سے انکار کیوں۔

قسیم۔ دنیا کی ضرورتوں کی تکمیل اور تکمیل کی وجہ سے مجبوری۔ کچہری میں نماز نہیں پڑھ سکتا۔ دورہ میں روزہ نہیں رکھ سکتا۔ حج فرض نہیں ہوا زکوٰۃ تم دیتی ہو

نسیمہ۔ کچہری کی مجبوری اول تو مجبوری نہیں اور اگر بالفرض مان بھی لوں تو صبح اور عشا تو گھر میں ادا ہو سکتی ہے، علاوہ ازیں اب اتنے روز سے جو چھٹی پر ہو یہاں کون سی ضرورتوں کی تکمیل ہے۔

قسیم۔ تم تو سر ہی ہوگئیں، مطلب کہو کیا چاہتی ہو؟ اچھا میں کل سے نماز پڑھا کرونگا

نسیمہ۔ نہیں ایسی نماز کی ضرورت نہیں میں تم سے مفصل بحث کرنی چاہتی ہوں، مجھے بھی ایسی تدبیر بتا دو۔ کہ میں اس سے چھٹی پاؤں۔

قسیم۔ واہ یہ خوب کہی! فرض ہے! میں کس طرح چھٹی دلا سکتا ہوں۔

نسیمہ۔ سبحان اللہ، میرے لئے فرض، تمہارے لئے مجبوری۔

دونوں میاں بیوی اس فقرے پر دیر تک ہنستے رہے۔ اور سلسلہ کلام چند لمحے کے واسطے منقطع ہوگیا۔ قسیم سمجھا: "رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت"، چھٹکارا ہوا۔ مگر نسیمہ کیا چھوڑنے والی تھی۔ اس نے کہا۔

"میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تم خدا کو مجھ سے بہتر سمجھتے ہو، اور جو کچھ کہنا ہے شاید مجھے وہ کہنے کا حق حاصل نہیں مگر اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ زبانی اور عملی یقین میں آسمان اور زمین کا فرق ہے۔ زبانی یقین میں اس کی عظمت کا خیال صرف رات کو آتا ہے۔ عملی یقین میں اس کا خوف ہر وقت غالب رہیگا اور یہی یقین ان تمام خیالات فاسدہ کو جو دل میں پیدا ہونگے جڑ سے اکھاڑ دے گا۔ صرف مذہب ہی وہ شے ہے جو انسان کو بری باتوں سے روکے اور محض ہستی باری تعالےٰ کا یقین کامل ہی ہے وہ علاج جو جھوٹ، حسد، کینہ، بغض وغیرہ امراض میں تیر بہدف ہو، تم دن میں دو مرتبہ نہاتے ہو، وضو کے واسطے کپڑے اتارنے کی ہمیشہ ضرورت نہیں کہ کالر، ٹائی، کف وغیرہ خراب ہوں، اخبار دیکھتے ہو، کتابیں پڑھتے ہو ٹینس کھیلتے ہو، اگر تھوڑی دیر ادھر متوجہ ہو جاؤ تو کیا خرابی ہے اگر یہ خیال غلط ہے جو

یقیناً غلط ہے کہ حشر ونشر دوزخ وغیرہ کچھ نہیں تو ہمارا کیا بگڑا، بہر حال دنیا میں بہت سی خرابیوں سے بچے۔ اور اگر یہ خیال ٹھیک ہے، اور یقیناً ٹھیک ہے، تو پھر فرمائیے اس وقت کیا گزرے گی۔ رات دن بہت سی کتابیں پڑھتے ہو کبھی اس سچی کتاب کو بھی تو غور سے دیکھو میں اس لئے نہیں کہتی کہ محض عقیدۃً بلکہ باعتبار ادب کہتی ہوں، وہ لطف آئے گا کہ تمام مصنفوں کو بھول جاؤ گے۔

دونوں میاں بیوی آرام کرسیوں پر لیٹے تھے، اتنا کہکر نسیمہ سنبھلی اور کہنے لگی، اور غور سے سنو، آنکھیں بند کرکے جو اللہ کی بندی نے دو رکوع پڑھے ہیں تو قسیم سناٹے میں رہ گیا۔

خوش الحان عورت، قرأت سے واقف کلام اللہ جیسی کتاب! ایک ایک حرف تیر کی طرح قسیم کے کلیجے میں گڑ رہا تھا اپنے افعال کو یاد کرکے اتنا رویا کہ ہچکی بندھ گئی، نسیمہ ختم کر چکی تو وہ بیساختہ اٹھا اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ اور کہا میں آج سے تمہارا مرید ہوتا ہوں۔ اب انشاء اللہ نماز قضا نہ ہوگی۔

نسیمہ نے شوہر کا ہاتھ سر پر رکھ لیا، اور کہا کیا کہتے ہو۔ میں تمہاری کنیز ہوں۔ خدا ہمارے ارادوں میں برکت اور وعدوں میں صداقت عطا فرمائے

(۲)

ساس بہوؤں کے تعلقات ایک نسیمہ ہی کے ساتھ کیا تمام دنیا میں مصیبت ہیں قسیم کی ماں لاکھ پڑھی لکھی اور ہزار بزرگوں کی ملنے والی تھی مگر اس آگ سے وہ بھی محفوظ نہ رہ سکی، بیٹے کو دیکھا تو وہ ساعت بساعت اور لمحہ بہ لمحہ بیوی کا مرید ہوتا چلا جا رہا ہے۔ بہو کو دیکھا تو ہشاش بشاش۔ بہتیرا ضبط کیا مگر پھر عورت تھی تاب نہ لا سکی، یا تو وہ رنگ تھا کہ مٹھائی کے ٹوکرے، ترکاری کی ڈلیاں سب ماں کے آگے یا یہ ڈھنگ ہوئے کہ جو کچھ دونوں میاں بیوی نے ہاتھ اٹھا کر

بھیجدیا وہ لینا پڑا، الغرض اختیار میں آیا فرق، وقار میں ہوئی کمی بہو کے لانے کی
خوشی تو درکنار اُلٹا بیر پڑ گیا۔ دیکھ دیکھ کر انگاروں پر لوٹتی۔ مگر سمجھدار عورت
زمانہ برتے ہوئے، سینکڑوں سائیں اور ہزاروں بہوئیں دیکھے ہوئے خاموش
رہتی اور اُف نہ کرتی۔

نسیمہ ناتجربہ کار، کم عمر، بھولی، سیدھی جو کچھ بھی تھی، مگر دودھ پیتی بچہ نہ تھی۔
سودائی نہ تھی، سڑن نہ تھی، ساس کے تیور صاف پہچان گئی یا تو وہ شوراشوری کہ
دن بھر نندوں کا بھابی جان، بھابی جان کہتے منہ خشک ہو رہا ہے، دیور ہیں کہ رات
دن بھاوج کی گود میں بیٹھے ہوئے ہیں، یا یہ بے کلی کہ سات سات آٹھ آٹھ گھنٹے
نسیمہ اکیلی کمرے میں گھسی بیٹھی ہے اور کوئی آکر جھانکتے تک نہیں، چاروں چالوں
تک تو ساس کی یہ عنایت و مہربانی کہ چوتھے چالے میں بہو کا ذرا پنڈا پھیکا سنا
تو دو دفعہ مامائی کو بھیجا اور دس بجے رات کے ڈولی کر خود دیکھنے پہنچیں، مگر چالوں کے
ختم ہوتے ہی وہ شفقت و محبت ختم ہو گئی۔ اکیلی کو پوچھنا گناہ، بیمار کو دیکھنا حرام
پھر بھی اپنی طرف سے نسیمہ بہت کچھ لگی لپٹی رہی۔ جو معمول اول دن سے مقرر تھا
اس میں فرق نہ آنے دیا، علی الصباح اٹھی، پانی گرم کیا، نماز و تلاوت سے فارغ
ہوئی۔ اور ساس کے سلام کو حاضر، دوپہر کو اُدھر میاں کچہری گیا، اِدھر وہ کھانا پکا
سینا پرونا لے ساس کے پاس آ بیٹھی دیوروں کے کپڑے سیئے نندوں کا سر دھلایا
غرض سعادتمند بہو کے جو کام ہوتے ہیں وہ کرنے اور شریف بیٹیوں سے جو توقع
کی جا سکتی ہے وہ پوری کرتی مگر اس بغض للّٰہی کا کیا علاج کہ بہو سر سے کنواں کھود
اور ساس کی سمجھ میں نہیں آئے۔

چھ مہینے کے قریب اسی طرح بسر ہو گئے اور قسیم کی چھٹی ختم ہونے آئی کہنے کو
کو تو طول کچھ زیادہ وعدہ نہ تھا۔ ڈیڑھ پونے دو گھنٹہ کا رستہ، مگر اس کا بس

چلتا تو وہ دم بھر کو بھی بیوی کو آنکھ سے اوجھل نہ کرتا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید اماں جان
خود ہی اس کے متعلق کچھ انتظام کریں، مگر جب یہ دیکھا کہ وہ کانوں میں تیل ڈالے
بیٹھی ہیں اور جانے میں صرف دو روز رہ گئے تو مجبور خود ہی بیوی سے کہا کہ اگر نامناسب
نہ ہو تو تم بھی بلول کی سیر کر لو۔

نسیمہ۔ مجھے چلنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔ مگر اماں جان سے پہلے صلاح کر لو۔ اگر
وہ بھی تشریف لے چلیں تو بہت اچھا ہے۔

قسیم۔ مجھے امید نہیں کہ وہ چلیں۔ اگر تم مناسب سمجھتی ہو تو اپنے طور پر ذکر کرو۔

نسیمہ۔ فقط ذکر سے تو کام نہ چلے گا۔ پہلی مرتبہ کا چلنا ان کی بلا اجازت ٹھیک
نہیں۔ اس مرحلہ کو تو تم ہی طے کرو گے۔

نسیمہ سسرال آنے سے پہلے ہی یہ خیالات اپنے ساتھ لائی تھی کہ شوہر کی رضامندی
اگر زندگی کا عین مقصد ہے تو ساس کی دلجوئی کوئی گناہ، چھوٹوں پر شفقت کوئی
مصیبت اور بڑوں کا ادب کوئی غضب نہیں۔ اسی وجہ سے جہاں وہ شب و روز
شوہر کے خیالات ٹٹولنے میں مصروف رہی وہاں ساس نندوں کا خوش رکھنا
بھی پیش نظر رکھا۔ میاں کے عادات و اطوار سے تو وہ ایک پندرہ ہی روز میں اچھی
طرح واقف ہو گئی مگر ساس نندوں کا سودا کچھ ایسی ٹیڑھی کھیر تھا کہ چھ مہینے کی
لگاتار محنت میں بھی کامیاب ہو سکی اور سچ یہ ہے کہ ہو بھی نہ سکتی۔ کون سی محنت تھی
جو نہ کی، کیا خدمت تھی جو چھوڑ دی اور کس قسم کی اطاعت تھی جس سے منہ پھیرا، دیوروں
کی روٹی پکائی نندوں کے کپڑے سیئے ماماؤں کے طعنے سُنے، ساس کے آگے آنکھیں
بچھائیں، تندرست کا سر گوندھا، تھکی ہوئی کے پاؤں دبائے۔ بیمار کی دوا پیسی
غرض اپنی طرف سے کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ اگر شرکت محبت جو اس تمام فساد کی جڑ ہے
نہ کبھو کمی ہو سکتی تھی، نہ یہ غصہ مٹ سکتا تھا۔

بیوی کی گفتگو سنکر قسیم نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ وہ خود ہی معاملہ کو ماں سے طے کرے یوں تو وہ اکثر ماں کے پاس جاتا اور بیٹھتا لیکن اس ضرورت کے پیش آتے ہی کچھ ایسی جھجک اس کے دل میں بیٹھی کہ کئی دفعہ قصد کیا مگر زبان نہ اُٹھی۔ آخر جانے سے ایک روز قبل دل کڑا کیا اور نیچی آنکھیں کر اس طرح کہا۔

میری چھٹی کل ختم ہے۔ وہاں مجھکو کھانے پینے کی سخت تکلیف ہے، نوکر کمبخت اتنا بے ایمان ہے کہ روپے کی جگہ چار۔ لیکر بھی خوش نہیں ہو سکتا۔ اگر چند روز کیواسطے آپ تشریف لیچلیں تو بہت اچھا ہے۔

ما۔ بھلا بیٹا مجھے لیجانا ہوتا تو اب تک کبھی کا لیجاتے، جو صاف بات ہے وہ کہو میں بہو کی روکنے والی کون، جاؤ شوق سے لیجاؤ۔ مگر یاد رکھنا کہ بیویوں کو اتنا آزاد کرنا ٹھیک نہیں۔

ماں کا جواب نوکھا یا ایسا نیا نہ تھا کہ قسیم کو تعجب یا تشویش ہوتی۔ شادی کے چند ہی روز بعد سے وہ ان باتوں کا عادی ہو گیا تھا، سنکر خاموش ہو گیا، اور بیوی سے آ کر کہدیا کہ تم اسباب باندھ لو۔

ابھی نسیم جانے کے متعلق فیصلہ نہ کر چکی تھی، مگر اس خیال سے کہ خفا نہ ہو جائے وہ صبح ہی صبح ساس کو اطلاع دے، شوہر سے کہہ میکے گئی، کہ سب جلی بھنی انگنائی ہی میں تھی، کہ پھوپھی نے کہا بیٹی تمہاری استانی پرسوں سے بہت بیمار ہیں دسہرے کا دن ہے پھر ڈولی ملنے کی نہیں۔ تم اسی ڈولی میں پہلے اُن سے مل آؤ۔

(۳)

استانی کی بیماری کا حال سنتے ہی نسیم بےچین ہو گئی اور اُلٹے پاؤں ڈولی میں بیٹھ سیدھی وہاں پہنچی۔ دیکھتی ہے تو استانی جی تن تنہا ویسی سکڑی ایک پھٹے لحاف میں لپٹی جھلنگے پر پڑی ہیں۔

کڑکڑاتے جاڑے تھے مہاوٹ پڑ رہی تھی اور استانی جی شدت بخار سے بیہوش پڑی تھیں! ان کے افلاس کا حال تو نسیم کو پہلے ہی سے معلوم تھا۔ مگر یہ خبر نہ تھی کہ ایسی بپتا آ پڑی ہے۔

نسیمہ کیسی ہی کٹر ساس کی بہو کیوں نہ ہو مگر پہلو میں ایسا دل لائی تھی جس میں ہمدردی کا دریا ہر وقت لہریں لے رہا تھا۔ استانی جی کو جاڑے پر جاڑا چڑھ رہا تھا اور بیری کی طرح تھر تھر کانپ رہی تھیں، دیکھتے ہی تڑپ اُٹھی۔ سر پر جہیز کی قیمتی رضائی تھی اُڑھا کر چاروں طرف سے دبا بیٹھ گئی سردی کم ہوئی تو استانی جی نے آنکھ کھولی۔ دیکھتی ہیں تو نسیم کی آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے ہیں بیٹھی پاؤں داب رہی ہے۔ بیتاب ہو گئیں لیٹے ہی لیٹے کلیجے سے لگا لیا دعائیں دیں اور کہا۔

"نسیمہ پیاری، یہ رضائی بیچاری کو کیوں اُڑھا دی"۔

نسیمہ یہ رضائی کیا اگر میری کھال بھی آپ کے کام آئے تو مجھے فخر ہے ڈولی تیار ہے آپ ذرا میرے ساتھ ہسپتال تشریف لے چلئے۔

نسیم کی ساس کو ان بیچاری استانی سے پرانی عداوت تھی ادھر تو یہ ہسپتال پہنچی۔ ادھر سے وہ چھوٹی بیٹی کو لے کر آئیں۔ بہو کی رضائی بڑھیا استانی کے سر پر دیکھ آگ لگ گئی۔ سیانی ہو کر غصہ میں ایسی دیوانی ہوئیں کہ لڑکی کا دکھانا بھی بھول گئیں اور گھر پلٹیں۔ قسیم غریب بنا اسباب ٹھیک کر رہا تھا آتے ہی اس پر برس پڑیں۔

"جم جم اینٹھی یہ آئیں، جو ہمارے دشمنوں کو دوست بنائیں، غضب خدا کا وہ شیطان کی خالہ اتنے جہیز کی اتنی بھاری رضائی اوڑھے پھرے، جب تم نے یہ ذلیل ڈوری چھوڑ دی تو آج بیوی کی رضائی گئی۔ کل میاں کی اچکن جائے گی بھلا کہیں بھی دنیا میں سنا ہے کہ میاں پردیس سدھارے اور بیوی سہیلیوں کے ساتھ

باغوں کی سیریں کرتی پھرتی ہیں۔

قسیم ابھی تک جواب بھی نہ دینے پایا تھا کہ نسیمہ جا اُتری۔ اتنا اس نے بھی دیکھا کہ بیوی گئی تھیں رضائی اوڑھے، اور آئیں خالی ہاتھ، سر پر فقط دوپٹہ۔

جانے کا دن، دل پہلے ہی کمزور ہو رہا تھا، ماں کے شور مچانے سے قسیم بھی اکھڑ گیا۔ نسیمہ ساس کو سلام کر اپنے کمرہ میں آئی اور میاں نے پوچھا۔

"کہاں کہاں کی سیر کی، اتنی قیمتی رضائی استانی جی کو اوڑھانے کی کیا ضرورت تھی وہ تو ہماری قدیمی دشمن ہیں"۔

نسیمہ تمہارے سوائے کسی اور کے ساتھ ہی سیر ہو سکتی ہے۔ استانی جی میری ماں سے زیادہ ہیں، اُنہوں نے مجھکو پڑھایا لکھایا۔ حیوان سے انسان بنایا۔ عقل کی باتیں بتائیں زندگی کے اصول سکھائے، محنت کی مصیبت اُٹھائی۔ دنوں جان کھپائی راتوں دماغ پھرایا، گرمی کے لمبے دن جاڑوں کی پہاڑ سی راتیں میری تعلیم پر وار دیں۔ خدا نے جان دی انہوں نے ایمان دیا۔ ماں باپ نے دنیا دی انہوں نے دین دیا۔ قدرت نے عمر دی۔ اُنہوں نے علم دیا۔ استانی جی نے جو آج میری رضائی کی محتاج تھیں اس فانی دنیا میں مدتوں راج کیا ہے انکی مصیبت عبرت کی تصویر ہے وہ خوشحال باپ کی بیٹی اور ایک رئیس اعظم کی وہ بیوہ ہیں جنکو قدرت نے زندگی کے چار پھول دیکر چھین لیے اور خود جس کے آگے چار چار نوکر تھے وہ ایک کھنڈر میں زندگی بسر کر رہی ہیں۔ کیا میرا ایمان یہی تھا کہ میں اپنے تندرست جسم کی حفاظت رضائی سے کروں اور خدا کی ایک مخلوق میری محسن جاڑے کے بخار میں میری آنکھوں کے سامنے کپکپاتی رہے۔ رضائی پھوپھی اماں کے ہاں موجود ہے گر لحاف کے لیے پانچ روپے دے آئی ہوں تاکہ اس وقت سے پہلے جب میں اپنے نرم اور گرم بچھونوں پر پڑوں اُنکے بدن پر لحاف پڑ جائے۔ وہ یقیناً تمہاری دوست ہیں ورنہ

یہ شادی خانہ آبادی نہیں عمر کی بربادی ہو جاتی۔ اُنہوں نے جب تمہارے عزیز مخالفت کر رہے تھے، تمہاری حمایت لی اور پھوپی اماں کو رضامند کیا۔ تاہم مجھے انکار نہیں، اگر تم کہو، تو میں اُن سے ملنا چھوڑ دوں لیکن میرا ہر رونگٹا آخر وقت تک اُنکے احسانات کا اعتراف کرے گا اور میں انکی خدمت سے کسی حال میں غافل نہ ہونگی۔

قسیم۔ خیر غلط فہمی ہوئی معاف کرو۔ اب تم اپنا اسباب باندھو۔

نسیمہ۔ اچھی بات ہے، مگر آج اماں جان ناخوش ہیں۔ ایسی حالت میں میرا جانا بہت نامناسب ہے۔ تم اس وقت بسم اللہ کرو۔ اب کے پھیرے میں انشاء اللہ چلونگی، خوشی سے یا مجبوری سے، مختصر یہ کہ قسیم رات کی گاڑی سے روانہ ہوگئے اور بہو ساس کی رضامندی میں مصروف ہوئی۔

(۴)

نسیمہ کی جٹھانی کلیم کی ماں۔ تھی تو قسیم کی خالہ زاد بہن۔ مگر عورت کیا آفت کا پرکالہ تھی، جس نے ساس کو ناک چنے چبوا دیے۔ چھ برس کی بیاہی، چار بچوں کی ماں کچھ ایسی بچہ بھی نہ تھی، مگر روزہ سے متنفر، نماز سے بیزار علم سے بے بہرہ، جاہلوں کی سردار، گلے میں ڈور، پتلے پر ساس، شیر کی طرح گھر بھر کو زیر کر رکھا تھا، ساس پاؤں کی جوتی، شوہر بے دام کا غلام، گھر بھر پر حکومت کا ڈنکہ بجاتی تھی۔ قسیم کے دوسرے بھائی کا لڑکا فہیم جس کو ماں باپ سات مہینے کا چھوڑ کر مرے تھے، اب پانچ سال کا گھر بھر کی جان تھا۔ اس کی بھی اتنی مجال نہ تھی کہ چچی کی طرف رخ کر لیتا دادی اس بچہ پر پروانہ تھی، مگر منجھلی بہو جب آڑے ہاتھوں لیتی تو چپکی منہ تکتیں خدا کی قدرت ایک روز علی الصباح کلیم اور فہیم دونوں بچے اُٹھ باہر کھیلنے چلے گئے اور ریٹھے کی ایک گولی پر لڑائی ہوئی۔ تھی تو فہیم کی۔ مگر کلیم جس نے بے ایمانی اور دغا کے دودھ سے پرورش پائی۔ گولی جیب میں ڈال لگا رونے اور چلانے، مگر گنتی میں پڑا تھا جھوٹ کی

گود میں پروان چڑھا، حمایت کو باپ، شہ دینے کو ماں، ڈرتی اس کی جوتی، اور سچ بولتا اس کا صدقہ۔ بیٹے کی آواز سنکر ماں دوڑی ہوئی دروازے پر آئی، بچے نے تو وہ فیل مچلے کر میں کا بیل بنا دیا۔ کم بخت بلکتا رہا اور یہ کہتا رہا، میرے پیٹ میں فہیم نے لات ماری۔ کہاں کا رحم، کہ ہر کا ڈر، اور کیسا انصاف، سنگدل عورت یتیم فہیم کو گھسیٹتی ہوئی لائی اور دروازے ہی میں ایک ایسا دوہتڑ دیا کہ بلبلا اٹھا۔ پانچ برس کی جان اس قصائی کے آگے سہما کھڑا تھا۔ اور کہہ رہا تھا۔

"چچی جان میں نے تو نہیں مارا۔"

کہ چچی کیا رحم کرنے والی تھی دروازے ہی میں مارے طمانچوں کے منہ لال کر دیا۔ مار چکی تو دیوار میں ایسا دھکا دیا کہ بچہ لہو لہان ہو گیا۔ خون کی تلی ہونٹ سے بہہ رہی تھی، خوف کے مارے کانپ رہا تھا۔ مگر آواز مطلق نہ نکلتی تھی۔ بن باپ کا بچہ جس کو اس وقت ظالم سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔ حسرت سے چچی کا منہ دیکھ رہا تھا معصوم نگاہیں بیکسی کا ثبوت تھیں اور خون کا ہر قطرہ بیگناہی کا دعویٰ کر رہا تھا۔ اسی حالت میں ایک ہاتھ سے پکڑے اٹھا کر لائی اور ساس کے آگے یہ کہکر پٹخ دیا۔ ذرا اس فتنے کی کارستانی تو دیکھو، وہاں بیٹھا دیوار سے سر پھوڑ رہا ہے کہ کوئی کچھ کہے نہیں۔

پھول سا بچہ جس پر یہ چار چوٹ کی مار پڑی اتنی دور کے پھینکنے سے بالکل بیہوش ہو گیا دادی نے جلدی سے اٹھا کر گود میں لٹایا نسیمہ پانی گرم کر کے منہ پونچھنے آئی، بچہ ہوشیار ہوا تو ساس نے کہا منجھلی بہو! بن باپ کے بچوں پر ایسا ظلم نہیں کرتے۔

منجھلی بہو۔ ذرا عقل کے ناخن لو میں نے ہاتھ بھی نہیں لگایا، اتنا بڑا الزام اٹھانا اچھا نہیں، وہ تو بہانہ باز ہے تم اس کے دھوکے میں آ کر مجھکو اتنی بڑی بات کہتی

خیر میرا تمہارا انصاف خدا کے ہاں ہے۔

وہ ساس جو نسیمہ کی ایک خطائی پر اس قدر بپھری تھیں، نا ہنجار بہو کے سامنے بالکل خاموش ہو گئیں، جانتی تھیں کہ زبان طرّانی بیسود ہے اپنا وقر اپنے ہاتھ نہ ایک کہوں گی نہ چار سنوں گی، اگر آدھی بات کہتی ہوں تو سات لپیٹیں بنکر رکھ دیگی۔ ساس بہوؤں کے تعلقات پر کوئی خاص رائے قائم کرنی اتنی ہی مشکل ہے جتنی میاں بیوی کے خیالات پر، ہر جگہ کے حالات جداگانہ ہیں ہاں قسیم کی ماں سے ہم کو یہ شکایات ہو سکتی ہے کہ گو نسیمہ نے زندگی بھر ساس کو کبھی جواب تک نہ دیا۔ لیکن جس قدر وہ منجھلی بہو سے محبت کرتی تھیں اس سے چوتھائی بھی نسیمہ سے کرتیں تو وہ اس شان کی لڑکی اور اس آن بان کی بہو تھی کہ مرتے دم تک ساس کے پاؤں دھو کر پیتی، اور منجھلی بہو سے بھی اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ اس نے مرتے دم تک اس کو کبھی تکلیف نہ دی لیکن اگر وہ نسیمہ سے آٹھواں حصہ بھی ساس کی عظمت کرتی تو ساس اس کو سر آنکھوں پر بٹھاتی۔

جس طرح بیٹی کی وداع پر ماں باپ یہ سمجھ لیتے ہیں، اور صرف سمجھ ہی نہیں لیتے بلکہ متوقع ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ میاں بیوی ایک جان دو قالب ہوں اور ہم سے کچھ زیادہ واسطہ نہ رہے اسی طرح لڑکوں کی شادی کے وقت ماؤں کو یہ سمجھ لینا چاہیئے اور سمجھ لینا ہی نہیں یقین کر لینا چاہیئے کہ جو لڑکی اپنے تمام عزیز اور اقارب اور گھر بار کو چھوڑ چھاڑ ہمارے ہاں آ رہی ہے وہ کیا چاہتی ہے۔ اس کی اس قربانی کا عین مقصد کیا ہے۔ یہی نہ کہ دونوں ایک ہو جائیں۔ پھر اس مقصد کی ابتدا ہماری ناخوشی کا باعث کیوں ہو۔ ہم کو اس کی تکمیل میں مدد دینی چاہیئے تاکہ دونوں دولہا دلہن کی زندگی کا جو مقصود ہے وہ حاصل ہو۔

اسی طرح بہوؤں کو اچھی طرح یاد رکھ لینا چاہیئے کہ آج ہماری زندگی بہو کی حیثیت سے

ہے۔ لیکن آہا ہے وہ وقت جب ہمیں ساس بننا ہے۔ اور آج ہم کو اپنی ساسوں سے وہی سلوک کرنا چاہیئے جو کل ہم اپنی بہوؤں سے توقع رکھتے ہیں۔

نعیم ہوشیار ہوا، تو بخار میں پل ہلا رہا تھا، چوٹ دماغ پر کاری لگی، ہر چند نسیمہ اس کو بہلا رہی تھی، مگر چچی کا خوف اس قدر طاری تھا کہ چاروں طرف گھبرا کر دیکھتا اور پھر ڈر کے مارے منہ چھپا لیتا۔ اسی حالت میں نسیمہ اس کو ساتھ لے اپنی پرانی سہیلی مس ہیروبی کے پاس لائی۔ جو مشہور ڈاکٹر تھی، ہیروبی نے نہایت غور سے دیکھا، بخار شدت کا تھا مگر ڈر بچہ کے دل میں ایسا بیٹھا تھا کہ اس کو ہر طرف ڈہی ظالم نظر آتی تھی، لیڈی ڈاکٹر نے صاف کہہ دیا کہ دماغ پر چوٹ آئی ہے کھلنے رکھوا اور دوا پلاؤ۔ امید ہے کہ اچھا ہو جائیگا۔ ڈولی میں بیٹھی تو نسیمہ نے نعیم کو کلیجہ سے چمٹا لیا اور خیال آیا کہ آہ اے کم بخت دنیا تیرے جلوے کیسے بھیانک ہیں۔ یہ یتیم معصوم جس کے سر سے دونوں شفیق ماں اور باپ کا سایہ اٹھ گیا ہرگز ایسی سزا کا مستحق نہ تھا کہ صاحب اولاد عورت کے ہاتھوں اس مصیبت میں گرفتار ہوتا آج اس بدنصیب پر دادی کے سوا کوئی دو آنسو گرانے والا بھی نہیں ہے۔

ان ہی خیالات میں غلطاں پیچاں گھر پہنچی، دوا پلائی، اور بچہ کو رضائی اڑھا گود میں لے بیٹھ گئی۔ دادی کی بھی پانچ برس کی محنت تھی، اس بدلے کا سر اور مرے ہوئے بیٹے کی امانت تھی۔ آتیں اس کا منہ کھولتیں، پیار کرتیں اور روتیں مگر بڑھاپا تھا اور سن ہو رہی تھیں، خدمت کے لائق نہ تیمارداری کے قابل۔

آدھی رات کا سنسان وقت تھا اور تمام گھر بے خبر پڑا سوتا تھا، صرف نسیمہ بچہ کو گود میں لیے بیٹھی تھی، اور دادی جانماز پر بیٹھی دعائیں مانگ رہی تھیں۔

دفعتہً بچہ نے آنکھ کھولی۔ اس کے آنکھ کھولتے ہی دونوں کی جان میں جان آئی برابر انگیٹھی پر دودھ رکھا تھا۔ چار چمچے دودھ کے نسیمہ نے پلائے ماتھے پر پیار کیا

اور کہا نعیم میاں کیسا جی ہے۔

سنگدل چچی کی تصویر معصوم آنکھیں بھولی نہ تھیں، سہم گیا، اور ہاتھ جوڑ کر کہا

”چچی جان میں نے نہیں مارا“

ایک تیر تھا جو نسیمہ کے کلیجے میں گھسا، نعیم کی بے گناہی پر تڑپ اٹھی، منہ پر منہ رکھا اور کلیجہ سے لگا کر کہا۔

”نہیں نہ سہی، لو آنکھیں کھولو! دودھ اور پیو“

منہ پر منہ رکھے روتی رہی، تو بچہ چونک چونک اٹھا۔ پھر آنکھیں کھولیں، نسیمہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اس نے پھر تتلاتی ہوئی زبان میں رک رک کر سہمے ہوئے کہا۔

نہیں چچی جان میں نے نہیں مارا

ساس بہو میں ایک ایسی عورت کے لال پرورہی تھیں جس کی ہڈیاں بھی گل کر خاک ہو گئیں کہ بچہ گھبرا کر اٹھا۔ بیٹھا۔ چاروں طرف دیکھا اور پھر تیسری دفعہ اپنی بے گناہی کا اظہار کیا۔

چچی جان میں نے نہیں مارا

اس فقرے کے ساتھ ہی معصوم کو ایک ہچکی آئی اور رخصت ہوا۔

(۵)

تیاس چاہتا تھا کہ نسیمہ کی اس خدمت اور ہمدردی کا ساس پر کوئی خاص اثر ہوتا۔ مگر افسوس یہ توقع غلط نکلی ہوا، اگر کم۔ لیکن نسیمہ اس حالت میں بھی ہزار آفریں کی مستحق ہے کہ باوجود ساس کی احسان فراموشی کے وہ بدستور انکی دلجوئی میں سرگرم رہی، اپنے ضروری کام کاج چھوڑ دن کا بڑا حصہ ان کے ساتھ گذارتی۔ اور اس خیال سے کہ رات کو عالم تنہائی میں بچہ کا خیال پریشان نہ کرے وہ بعض دفعہ آدھی آدھی رات تک ان کے پاس رہتی اور جب تک وہ سو نہ جاتیں نہ سرکتی

منجھلی سے جو درحقیقت اس تمام واقعہ کا باعث تھی، اُنہوں نے کبھی یہ بھی نہ پوچھا کہ تیرے منہ میں کے دانت ہیں، نہ پوچھا نہ پوچھ سکتی تھیں۔ نہ ہمت تھی نہ جرات، ہاں نزلہ بر عضو ضعیف، جب کبھی مزاج بگڑتا یا پریشان ہوتیں تو وہی لے دے کر ایک غریب نسیمہ، اسی پر غصہ اتارتیں۔ نسیمہ آخر انسان تھی۔ بسا اوقات ناگوار گزرتا گر جانتی تھی کہ اُنکی حالت خود قابل رحم ہے۔ صدمہ نے رہی سہی اور بھی کمر توڑ دی پر یہ صبر و تحمل دین دنیا دونوں کی فلاح کا باعث ہوگا۔

(۶)

ہم تو یہ سمجھے تھے کہ چند روز بعد عام دستور کے موافق نسیمہ کی ساس بچہ کا صدمہ بھول بسر جائیں گی مگر پانچ چھ برس کی محنت تھی نعیم خود تو قبر میں جا سویا لیکن دادی کو زندہ درگور کر گیا۔ اُن کی کیفیت یہ ہوئی کہ لمحہ بھر کو بھی اس کا خیال نہ بھولتیں، دن رات روتیں اور دیوانوں کی طرح ادھر اُدھر پھرتیں۔ کبھی اس کے کپڑے نکال کر پیار کرتیں، کبھی اس کے کھلونے لا کر چومتیں، رات کو جب سب سو جاتے تو دروازہ تک جا پہنچتیں۔ کنڈی کھول کر باہر نکل جاتیں۔ ماں کی حالت سُن ایک مہینہ کے واسطے قسیم بھی آیا، مگر بخار ایسا ہاتھ دھو کے پیچھے پڑا کہ گھل گھل کر بڑی بی کا تہنی جیسا ڈیل سوکھ کر کانٹا ہو گیا روز بروز حالت ردی ہوتی گئی، تو یہاں تک پہنچی کہ چلنے پھرنے سے بھی معذور ہو گئیں، اس موقع پر نسیمہ نے ساس کی وہ خدمت کی کہ کنبہ اور عزیز تو درکنار محلہ اور جان پہچان بھی واہ واہ کرنے لگے۔

صبح کے وقت ایک روز بڑی بی نے نسیمہ کو اپنے پاس بلایا سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا میری تقدیر میں تمہاری بہار دیکھنی نہ تھی مگر مجھے یقین ہے کہ تم دنیا میں خوش و خرم رہو گی اور میں دعا کرتی ہوں کہ تم ہمیشہ شاد و آباد رہو۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تم جیسی بہو کی قدر نہ کر سکی اور اکثر خواہ مخواہ تمہاری فضیحتی کی۔ لیکن میں اس

وقت ان سب عزیزوں کے روبرو تم سے اس کی معافی مانگتی ہوں میرے دل میں جو ارمان تھے وہ دل کے دل ہی میں رہے، موت سر پر آپہنچی، مگر میں سب سے زیادہ تم سے شرمسار چلی۔ تم بہو تھیں مگر بیٹیوں کی محبت دل سے بھلا دی، تم جیسی عورت دنیا میں ناخوش نہیں رہ سکتی۔ خوش نصیب تھی وہ ساس جس کو تم جیسی بہو ملی اور بھاگوان ہوگا وہ گھر جس کی بیوی تم ہو گی۔ الٰہی دنیا کی بہاریں اور خوبیاں تمہارے واسطے ہوں اور جس طرح تم نے مجھ کو خوش رکھا۔ اسی طرح تم خوش رہو۔ میں اس گھر سے رخصت ہوتی ہوں۔ اب اس گھر کی گو عمر میں چھوٹی ہو، مگر بڑی بڑی تم ہی ہو، یہ دونوں کنواری بیٹیاں جو میرے پاس خدا کی امانت تھیں تمہارے سپرد کرتی ہوں، بیٹی بن باپ کی بچیاں ہیں، خطا کریں تو درگزر کرنا، اور جس طرح آج تک میری عزت کی ہے میری اس آخری درخواست کی لاج رکھنا نسیمہ بیگم میرا رواں رواں تم کو دعائیں دے رہا ہے۔ وداع کے وقت ماں اور پھوپی نے گلے لگایا ہوگا، اب میں اس دنیا سے وداع ہوتی ہوں، آؤ میرے کلیجے سے لگو اور میری دعا لو، الٰہ العٰلمین میری بیٹی سے بہتر بہو جس نے ثابت کر دیا کہ واقعی بہوئیں بیٹیوں سے بہتر ہوتی ہیں، تیرے سپرد ہے، معبود حقیقی یہ دنیا میں پھلے پھولے اور جیسا مجھکو خوش رکھا ایسے ہی یہ بھی دنیا میں راج کرے۔

بڑی بی اتنا کہکر تھک گئیں۔ نسیمہ اور قسیم کیا سب کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور آمین کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اس کے چوتھے یا پانچویں روز بڑی بی اپنے اصلی گھر رخصت ہو گئیں۔

(۷)

مرنے والی معمولی گری پڑی عورت تو تھی نہیں نواب غلام رسول خاں جاگیردار اسلام آباد کی بیٹی اور رسالدار میر اعتماد الدولہ کی بہو۔ خود بھی بہت معقول

جائداد اور ایک لڑکا نائب تحصیلدار اور پانچہزار کا زیور چھوڑا۔ موت کی خبر آناً فاناً تمام شہر میں پھیل گئی اور آنے جانے والوں کا تانتا بندھ گیا قسیم کہنے کو تو بی اے پڑھا لکھا نئی روشنی کا دلدادہ ترکِ رسوم پر آمادہ تھا مگر وقت پر آنا بودا نکلا کہ کوئی بیوی بھی خیالات کی ایسی ہیٹی نہ ہوگی۔ پھولوں کا تخمینہ دو ہزار کا تھا نسیمہ تجہیز تکفین کے وقت تو خاموش رہی مگر اب اس نے میاں سے صاف کہدیا کہ یہ فضول صرف، حاصل دین نہ حاصل دنیا، کس کام کا سوا اس کے کہ الغتے اور ہٹے کٹے اور موٹے تازے مفت کا کھانا اڑائیں۔ تم کو جو کچھ دینا ہو کسی مسجد مدرسہ یا یتیم خانے میں نقد بھیجدو۔ باقی پھولوں کی رسم بالکل فضول ہے سب کو اطلاع دیدو کہ کچھ نہ ہوگا۔ جب ہم پڑھے لکھے ہی ان رسموں میں پڑکر اپنی جڑیں کھوکھلی کردینگے تو جاہلوں کا شمار کس گنتی میں رہا۔ ذرا مجھے بھی تو بتاؤ کہ تم نے اس میں کیا فائدہ سوچا مرنے کے ثواب کے واسطے میں خود زندہ بیٹھی ہوں۔ جو ہو سکے گا پڑھوں گی اور پہنچاؤنگی غور کرو ابھی تمہارے لگے ایک چھوڑ دو دو بہنیں موجود ہیں اُن کو بھی آخر پہنچانا ہے اگر اسوقت یہ پونجی ختم کردی تو اُس وقت کس کے آگے بھیک مانگیں گے اصلی غرض تو مرنے کا ثواب ہے، اگر وہ حاصل ہو تو میں منع نہیں کرتی۔ چشم ما روشن دل ما شاد لیکن یہ تو صرف نام و نمود ہے اور کچھ نہیں۔ سینکڑوں اللہ کے بندے ان ہی جھگڑوں میں [illegible] تباہ ہو گئے کیا تم کو نہیں معلوم کہ یہ رسم اصل میں ہندوستان میں ہندوؤں سے مسلمانوں نے لی ہے، ورنہ عرب میں جتنے آدمی میت کے گھر تعزیت کو جاتے ہیں وہ اپنا کھانا اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور خود صاحب خانہ کو اپنے ساتھ بٹھا کر زبردستی کھلاتے ہیں کیونکہ وہ اپنے صدمہ میں اس لائق نہ ہوگا کہ گھر کے کھانے کا انتظام کرسکے۔ یہاں تو ان آنے والی بیویوں کو دیکھکر ہوش اڑے جاتے تھے ان کو تو خاصی اچھی عید ہو گئی تھی۔ پان، زردہ، چاول، شکر، دھڑلے سے اڑائیں اور

خواہ مخواہ منہ ڈھانک کر جھوٹ موٹ کے آنسو گرادیں ایک یہ بھی میں نے عجیب بات دیکھی کہ بلا وجہ مرنے والی کا ذکر کرکے تکلیف پہنچانا اپنا فرض سمجھتے تھے حالانکہ جو صدمہ ہمکو ہے وہ ظاہر ہے، ان کی ہمدردی کا محتاج نہیں اور جس قدر اچھی وہ تھیں ہم خود جانتے ہیں لیکن اُنکی باتیں یاد کرنا اب ہمارے زخموں پر نمک چھڑکنا ہے۔ میری ایک سہیلی مس ڈین مجھ سے کہتی تھیں کہ ہمارے ہاں جب لوگ تعزیت کو آتے ہیں تو ان میں سب سے زیادہ تعریف کا مستحق وہ ہوتا ہے جو صاحب خانہ کو ہنسائے، میرے خیال میں تم کو جو کچھ دینا ہے، انجمن اشاعت اسلام میں بھیجدو میں اپنے ہاتھ سے کھانا پکا دیتی ہوں تم لے کر جاؤ، اور یتیم بچوں کو رانڈوں کو اپاہجوں کو محتاجوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اپنے سامنے کھلاؤ تاکہ ان کو ثواب پہنچے اور وہ بھی سمجھیں کہ میں دنیا میں ایسے لوگ چھوڑ کر آئی ہوں جو صرف جائداد کو مال ہی کے وارث بننے کو نہ تھے بلکہ مجھے بھی کچھ دینے والے تھے۔

بیوی کی یہ تقریر خالی جانے والی نہ تھی قسیم کے دل میں گڑ گئی، اس نے ایک ہزار روپیہ نقد مسجدوں، مدرسوں اور انجمنوں یتیم خانوں میں بھیجکر باقی تفنن کو خاک میں ملایا، اور بی نسیمہ کی بدولت اس رسم کا خاتمہ ہوا۔

(۸)

چھٹی ختم ہوتے ہی قسیم نوکری پر چلا گیا اور نسیمہ اس خدمت کے انجام دینے میں مصروف ہوئی جو ساس اس کے سپرد کر گئی تھیں۔ رابعہ اور ہاجرہ دو نندوں کی تربیت ایسی نہ تھی کہ نسیمہ کو دقت ہوتی مگر خرابی آکر یہ پڑی، کہ رابعہ بڑی لڑکی منجھلی بھاوج کے پنجوں میں کھلم کھلا نسیمہ کی دشمنی پر کمربستہ ہو گئی، نند بھاوجوں کا رشتہ ایسا ٹیڑھا ہوتا ہے کہ نسیمہ کو اس کی زیادہ پرواہ کرنے کی ضرورت نہ تھی، اور اکثر عزیزوں یہانتک کہ خود قسیم نے بھی یہی صلاح دی، مگر ساس کی وصیت ایسی تھی کہ

نسیمہ محض اپنی نفسانیت کے مقابلہ میں اس کی وقعت نہ کرتی اس نے میاں کو تو یہ کہکر ٹال دیا اچھی بات ہے دیکھی جائیگی۔ مگر خود اسی فکر میں رہتی کہ کسی طرح رابعہ درست ہو جائے۔ مگر اس خالی خولی فکر سے ہوتا کیا تھا۔ اس پر منجھلی بھاوج کی عادات کا اتنا کافی اثر پڑ چکا تھا، اور پڑ رہا تھا۔ کہ نسیمہ کے چھٹائے نہ چھٹ سکتا تھا، نسیمہ لاکھ سعادت مند ہو اور شفیق بھاوج تھی، مگر خودداری کا مرض اس کو بچپن سے تھا زبان ہلانا تو درکنار وہ ایسی ویسی بات کو سنتی اور ٹال دیتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکی دن دونی اور رات چوگنی ہوتی گئی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک دن جبکہ نسیمہ نے اپنی چند سہیلیوں کی دعوت کی، رابعہ زبردستی کھانے کے انتظام میں گھس گئی، ہر چند نسیمہ کو نہ اس کی ضرورت تھی نہ خواہش۔ مگر یہ بھی نہ ہو سکتا تھا کہ وہ نند کو ٹکا سا توڑ جواب دیدیتی اور کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانے دیتی، پھر بھی اتنی ہوشیاری کی کہ اس کے تمام کام اپنی نگاہ میں رکھے مگر بشر تھی چوک گئی، کھانے کے بعد چاء کا وقت آیا تو ظالم نے کیا کمال کیا کہ طشتریوں میں بین رکھ اوپر سے کھانڈ بُرک دی۔ پینے والیاں سمجھیں بیچ کھانڈ ڈال ہی ہیں مگر میٹھی کے بدلے چاء تو مینی ہوئی جا رہی ہے تکلف کے مارے کوئی کچھ کہتی ہے نہ سنتی۔ نسیمہ اصرار کرتی ہے تو ایک ایک چمچہ سب پی لیتی ہیں، اور پھر ہاتھ رک جاتا ہے۔ لڑکی ہے کہ چوکھٹ میں کھڑی خل خل ہنسے جاتی ہے۔ نسیمہ بہتیرا غور کرتی ہے مگر سمجھ میں نہیں آتا۔ مہمان بیویاں خود نادم ہیں اور کچھ نہیں کہہ سکتیں کہ بے میٹھی چاء تو دیکھی نہ سنی ایک دوسری کا منہ دیکھتی ہے اور چپ ہو جاتی ہے۔ آخر نسیمہ خود اٹھی نند کو منع کیا تو اس نے اور ٹھٹھے مارنے شروع کیے، پیالیوں کو دیکھتی ہے تو جوں کی توں مجبور خود چمچہ بھر کر چاء چکھی تو کھانڈ کے بدلے بین۔ کھانڈ کو دیکھتی ہے تو بین کے اوپر شکر کی تہہ بچھی ہوئی ہے غصہ تو بہت آیا اور شرمندہ بھی خاصی ہوئی۔ مگر کیا کر سکتی تھی جلدی سے اور چاء طیار کی، برتن صاف کیے اور شکر نکال کر سامنے رکھی تو سب نے چاء پی اور رخصت ہوئے

(۹)

بات تو گئی گذری ہوئی۔ مگر رابعہ کی اس حرکت کا نسیمہ کے دل پر ایسا اثر پڑا جو کسی طرح زائل نہ ہوتا تھا، وہ اچھی طرح دیکھ رہی تھی کہ رابعہ آٹھ سات برس کی بچہ نہیں پندرہ چودہ برس کی لڑکی "چیر و چار بگجار و پانچ" ہاتھ سے نکلی جا رہی تھی بولتی ہوں تو رو رو نند بجا دیں مجھ کو الٹا دیوانہ بنائیں گی، نہیں بولتی تو لڑکی کے دین دنیا دونو برباد ہوئے، اس سے تو بات نہ کرتی مگر اس کی ان حرکتوں پر گھنٹوں بیٹھی غور کرتی علی الصباح ایک دن نسیمہ بیٹھی ہاجرہ کا سر گوندھ رہی تھی کہ ماما نے آکر پھوپھی کا ایک خط دیا جس میں لکھا تھا۔

برخوردار نسیمہ بیگم۔ کل میں رسالدارنی کی چھٹی میں گئی تھی وہیں تمہاری جٹھانی اور رابعہ سے ملی، میں نے سال بھر کے بعد رابعہ کو دیکھا تھا، دیکھکر جی خوش ہوا۔ ماشاءاللہ خوب رنگ نکلا ہے مگر رات کی اس کی حالت دیکھکر تو ایک میں کیا تمام گھر نے دانتوں میں انگلیاں دے لیں، غضب خدا کا خالہ نصیرا کی لڑکی کو اس بُری طرح دسترخوان پر سے جھڑکا ہے کہ سب سناٹے میں رہ گئے اتنی عمر میری ہونے آئی میں نے بھی کھائیاں ادیکھا بھیاں ہزاروں ہی لڑکیاں دیکھیں، مگر کنواری بیٹیوں کو جھومر اور جھالر بنتے کہیں نہیں دیکھا اور اگر خیر تمہارے ہاں کی یہ رسم ہے تو یہ تمکنت اور غرور کس خدا نے بتایا ہے کہ اس غریب کو برابر نہ بیٹھنے دیا، اسلام کا دسترخوان عام ہے زیور اور لباس کی کیا خصوصیت، دولت ہرتی پھرتی چھاؤں ہے امیری کسی کی ذات اور افلاس کسی کا پیشہ نہیں۔

مجھے تو افسوس اس کا ہے کہ تمہاری تربیت اور نیہ تیجہ۔ میں اس وقت موجود

تھی جب تمہاری ساس اللہ بخشے جنت کو سدھاری ہیں، اور یہ بچیاں
تمہارے سپرد ہوئیں، بیٹی تم نے ساس کے قول کو خوب نباہا، کیا تم کو
اپنی پرورش یاد نہیں۔ ہم نے دکھ جھیل کر تم کو سکھ دیے ہیں ابھی
تو ابتدا ہے آگے چلکر کیا کروگی، مرنا ہے اور ساس کو منہ دکھانا۔ اچھی
لڑکی اٹھائی، دنیا میں تو خیر چار دن طرف کی بدنامی ہوگی مگر یتیم
بچوں کی پرورش کا جواب خدا کے ہاں دینا آسان نہیں نسیمہ بیگم
اس وقت کو آیا سمجھو اور اس کے جواب کے لیے تیار ہوجاؤ جو ساس کی
موجودگی میں دینا ہے۔ بیٹی بڑا نازک وقت ہوگا، بڑے بڑے ایماندار
گھبرائے ہوئے ہونگے اور اچھے اچھے امین پریشان، یاد رکھو
ابھی کچھ نہیں گیا۔ امانت کو اب بھی سنبھال لو ورنہ دنیا اور
دین دونوں میں خمیازہ بھگتوگی۔

پھوپھی کا خط پڑھتے ہی، کاٹو تو نسیمہ کے بدن میں خون نہ تھا۔ آخر اس کے
سوا کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی کہ مجبور نسیمہ نے شوہر کو خط لکھا جس کا ایک حصہ یہ تھا

"ساس سسرے ہوں یا دیور جیٹھ، نند بھاوجیں ہوں، یا دیورانیاں
جٹھانیاں، یہ رشتے کچھ ایسے نازک ہوتے ہیں کہ بیوقوفوں میں خواہ مخواہ کا حسد پیدا
ہوجاتا ہے۔ نند برباد ہوتی ہے تو بھاوج کی بلا سے اور ساس کو اذیت ہو تو اس کے
صدقے سے مگر نہیں کسی عزیز کی تباہی ہماری اپنی تباہی اور اس کی بربادی خود ہماری
بربادی ہے اپنے تو اپنے ہمارا فرض تو یہ ہے کہ ہم غیروں کی مصیبت پر آنسو بہائیں نہ یہ کہ جان
بوجھ کر اپنے کلیجے کے ٹکڑے کنوئیں میں دھکیل دیں، میرا کمبخت دل تو ایسا ہے کہ کیڑے مکوڑوں
تک کی مصیبت پر رو تو دیتی ہوں، اور یہی انسانیت کا سب سے بڑا جوہر ہے۔ اماجان
کو گئے سال ہونے آیا، برا نہ ماننا، تم نے آجتک نہ پوچھا کہ یہ بدنصیب بہنیں کیا کر رہی

ہیں اور کس طرح ان کی بسر ہو رہی ہے عید پر ماشاءاللہ تم ڈیڑھ پونے دو سو کا کپڑا لائے
ہاجرہ تمہارا منہ دیکھکر چپ ہوگئی۔ اگر ایک اوڑھنی کا کپڑا ان کم بختوں کا بھی لے آتے
تو کیا مضائقہ تھا۔ مجھ سے جس طرح ہوا میں نے اس کا دل رکھ لیا۔ ایک نہیں میں نے
اس کی چھ اوڑھنیاں بنا دیں۔ مگر تمہاری بات تمہارے ہی ساتھ تھی۔ اماجان
آج قبر میں سو رہی ہیں باپ کو انہوں نے آنکھ کھولکر دیکھا نہیں۔ اب لے دے کر
ان کے وارث جو کچھ ہو تم ہو، تم ان سے نفرت کروگے تو کلیجہ سے کون لگائیگا
کیا اماجان کے الفاظ تم کو یاد نہیں۔ رہ رہ ان کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دے گئی
ہیں، یہ بیچاریاں سدا تمہارے در پر بیٹھنے والی نہیں۔ چند روز کی مہمان ہیں، پھر
یہ کہاں اور ہم کہاں، دنیا نے ان کے حوصلے مٹا دیئے، ماں کی موت ان کی امنگوں کا
خاتمہ کر گئی۔ ان کے زور ڈھے گئے۔ ان کی نازبرداری ختم ہو گئی۔ ان کی کمریں
شکستہ اور ان کے دل زخمی ہیں۔ مگر ان کی فریادیں اونچی اور ان کی آہیں
بلند ہیں۔ یہ غیر نہیں ہمارے کلیجے کے ٹکڑے ہیں۔ ان کی خوشی ہماری خوشی
اور ان کا رنج ہمارا رنج ہے۔ میں تم سے اب بھی نہ کہتی، مگر کیا کروں رابعہ کا ناس
ہو رہا ہے۔ جب بیٹی ہوں تو بہت جلد اس کی عادتیں، طبیعت اور خیالات
راسخ ہو جائیں گے۔ دنیا جانتی ہے کہ اس کی ذمہ دار میں ہوں، ناک میری کٹے گی
خدا کے واسطے کچھ انتظام کرو ابھی اصلاح پر آجائے گی، اور اگر زیادہ غفلت کی
تو پھر ٹھنڈے لوہے پیٹنے سے درست نہ ہونگے۔"

بیوی کا خط پڑھتے ہی نسیم کی آنکھ سے آنسو جاری ہوگئے۔ دوسرے
روز ہفتہ تھا۔ اتوار کی اجازت لے کر آیا اور بیوی کو دونوں بہنوں سمیت بھوپال لے گیا

(۱۰)

یہاں پہنچکر نسیمہ دیکھتی ہے تو گھر کا رنگ ہی کچھ اور ہے۔ نوکروں نے تو وہ لوٹ مچا

رکھی ہے کہ ابھی تو یہ اول تو تمام جنس بنئے کے ہاں سے اُچاپت لاتا ہے۔ وہ بھی روز کے روز۔ تیسرے دن ایک روپے کی لکڑیاں ختم ہو رہی ہیں۔ گھر کی حالت عجیب ہے ایک میاں کے سونے کا نواڑی پلنگ تو خیر لیٹ رہنے کے قابل ہے۔ باقی جو جو وہ پلنگ جہیز کی بڑی بڑی چاندنیاں جو نسیمہ نے ساتھ کر دی تھیں۔ اُن پر سالن کے چکتے، چوہوں نے کاٹ کاٹ کر لغابے ڈال دیے ہیں۔ غرض جدھر آنکھ اُٹھا کر دیکھتی ہے ایک طوفان بے تمیزی برپا ہے۔ میاں کے کچہری جاتے ہی اس نے میلے کپڑے پہن جو گھر میں جھاڑو دینی شروع کی تو ٹوکروں کیا چھکڑوں ہی کوڑا نکال کر کٹھریاں اور دالان چندن کر دیا۔ اجلا صاف شفاف بچھونا جو کیا تو دونوں دالان منہ سے بول اُٹھے۔ مٹکوں پر سیروں کائی جم رہی تھی اُن کو اٹھا کر نئے مٹکے منگوا اوپر سے قلعی دار کٹورے رکھے تو گھر کی شان ہی اور نکل آئی۔

باورچی خانہ کو دیکھتی ہے تو چولھے ہیں تو گنتی میں تین۔ مگر کسی کا بازو نہیں کسی کا اولا ندارد۔ لگتے ہاتھوں ان کو بھی درست کیا۔ اور میاں کے آنے سے پہلے گھر ٹھیک ٹھاک کر، دلہن بن بیٹھ گئی۔

قسیم کچہری سے آ کر دیکھتا ہے تو اتنا بڑا گھر جو ہر وقت ڈھنڈار بنا رہتا تھا منہ سے بول رہا ہے۔ ہر چیز قرینے سے رکھی، سلیقے سے سجی۔ بچھونے اُجلے، برتن صاف، دالان درست، کمرے ٹھیک۔ جھنجنوں کی یا تو یہ کیفیت تھی کہ طاقوں میں کبوتروں کے انڈے کمانچوں پر گلہری کا گودڑ، یا بالکل جھک جھکا گئیں۔ نوکر اول تو قدیمی اور پھر بڈھا اور اس پر وہ باپ کے ساتھ کا کھیلا ہوا اس کا یہ حال تھا کہ بہت بڑا کمال کیا تو الٹی سیدھی جھاڑو، کبھی بھولے بسرے بہت مہربان ہوا تو دالان بہاری وہ بھی جیسے بلی نے پنجے مارے، کوڑا اٹھایا اور چبوترے پر ڈھیر کر دیا۔ جس گھر میں اللہ آٹھوں جھاڑو نہ ملے وہاں چھلکوں کے انبار کوڑے کے ڈھیر، خاک کے تودوں اور راکھ کے بچھونوں کے سوا کیا ہو سکتا تھا۔ قسیم کو بیوی کا سلیقہ دیکھنے کا آج پہلا اتفاق نہ تھا، مگر اپنے گھر کے اس انقلاب میں بٹنے کا اول موقع ضرور تھا۔ بیوی کی دیکھا دیکھی وہ بھی نہائی دھوئی قلعی دار پٹاری آگے رکھے چھالیہ کتر رہی ہے، باغ باغ ہو گیا۔ نسیمہ ایک ماما اپنے ساتھ لائی تھی قسیم نے کپڑے اُتارے۔ اس نے دوڑ کر کھونٹی پر لٹکائے، چھوٹی بہن لپک کر چا لائی، بڑی تھی تو شریر، مگر بھاوج کی تقریر نے چند ہی گھنٹوں میں پرچا لیا۔ ادھر قسیم چا سے فارغ ہوا ادھر وہ پان لے کے پہنچی۔ قسیم پان کھا پلنگ پر لیٹا۔ بیوی عصر کی نماز پڑھ باورچی خانہ میں پہنچی۔ ماما نے آٹا گوندھا بیوی نے سالن بگھارا۔ چار پانچ آدمیوں کا کھانا ہی کیا۔ مغرب سے پہلے سادہ اور ترکاری دار دونو سالن تیار تھے۔

(۱۱)

قسیم دن بھر کا تھکا ہارا، نیند کا رسیا، خراٹوں کا دھتیہ کھانا کھاتے ہی آرام میں پہنچا۔ نسیمہ دونوں نندوں کو پڑھانے بیٹھی۔ پڑھا چکی تو ان کو لٹا اپنے بچھونوں پر سلا وضو کر خدا کے حضور میں حاضر ہوئی اور رو رو کر دعائیں مانگیں۔ گڑگڑا گڑگڑا کر التجائیں کیں، جہاں تک ہم کو معلوم ہوا ہے، نسیمہ کی دعائیں ہمیشہ اپنے لئے کم اور دوسروں کے لیے زیادہ نکلیں۔ جاڑوں کی جو دعا عشا کے بعد نند کو یاد کرائی وہ یہ تھی۔

معبود حقیقی رات اپنا ایک حصہ طے کر چکی، اچھی اور بری تیری بہت سی مخلوق نرم گرم بچھونوں پر دن بھر کی تھکی ہاری تیری قدرت کے انتظام کو پورا کر رہی ہے الہ العالمین اس وقت تیری ادنیٰ کنیز عاجزہ تیرے حضور میں حاضر ہوئی۔ سچے آقا اس وقت میرا دیکھنے والا تیری پاک ذات کے سوا کوئی نہیں اے دیکھنے والے سننے والے قبول کرنے والے مولیٰ۔ ہمارے گناہوں کو معاف کر احکم الحاکمین نامرادوں کو

مراد، بے اولادوں کو اولاد، بہنوں کو بھائی، قیدیوں کو رہائی، بیماروں کو صحت، حاجتمندوں کو حاجت، تونگروں کو سخاوت، مفلسوں کو قناعت اپنے ہوں یا غیر سب کی خیر۔ خالق بے نیاز گوشت کے لوتھڑے کو جان دی، جان کو ایمان دیا رب العالمین زبان کو تاثیر، دعا کو اثر دے، رانڈوں پر رحم، یتیموں پر کرم، مسکینوں کو عطا، بیماروں کو شفا حکیم علی الاطلاق دنیا کی بہاریں، عاقبت کی خوبیاں، دوست، دشمن، عزیز اقارب سب کو دے۔ اے بادشاہوں کے بادشاہ یہاں فلاح و بہبود دے وہاں مقام محمود۔ سچے بادشاہ! دنیا نیند میں بے خبر ہوئی۔ مگر تیرا دربار کھلا ہوا ہے۔ مجھ فقیرنی کی صدا خالی نہ پھیر، نسیم کی دعا عرش عظیم تک پہنچا۔ خالق الموجودات قبر کے عذاب سے حشر کے جواب سے دوزخ کے قہر سے پل صراط کے خوف سے بچا بچا لے حافظ حقیقی بچا۔ مجھکو بچا، میرے ماں باپ کو بچا، کل مسلمانوں کو بچا۔

(۱۴)

نسیم کو میاں کے ساتھ رہتے سال بھر سے زیادہ گزر گیا اور گو اس عرصہ میں اس کو وہ تمام باتیں حاصل ہو گئیں جو شادی کے بعد ایک لڑکی کو ہونی چاہئیں وہ اپنے گھر کی باختیار ملکہ تھی قسیم کی اتنی مجال نہ تھی کہ لمحہ بھر کو بھی بلا اجازت کہیں باہر جا سکے یا بیوی کے بغیر مشورے ایک پیسہ بھی خرچ کر سکے۔ مگر وہ اچھی طرح سمجھتی تھی کہ مرد کا اعتبار نہیں میاں نے ابھی آنکھ کھول کر دیکھا ہی کیا ہے۔ دوست نہیں آشنا نہیں لاکھ طبیعت صاف اور دل پاک ہے مگر آپ "تو ملا کی دوڑ مسجد۔" کچہری یا گھر یہی دو جگہیں ہیں، اٹھ لیں بیٹھ لیں۔ ہاں موقعوں سے پرہیز اور اتفاقوں سے گریز کریں تو جانوں کہ محبت مستقل اور الفت پائدار ہے۔ یہی ایک کھٹکا تھا جس کا دھڑکا اکثر نسیم کو لگا رہتا ورنہ اس کی زندگی کا یہ حصہ ایسا گزرا کہ خدا دنیا جہان کی بیٹیوں کو نصیب کرے۔

نسوانی انسانیت کا سب سے بڑا جوہر ہمدردی جو نسیم اپنے ساتھ پھوپی کی طرف سے جہیز میں لائی تھی پلپل میں بھی آ کر چمکا۔ گو قسیم نائب تحصیلدار معزز اہل کار اور معقول تنخواہ دار آدمی تھا مگر سوا چند چپراسیوں یا عملہ والوں کے کوئی یہ بھی جانتا تھا کہ اس گھر میں رہتا کون ہے۔ ہاں کتے کے رات کو ایک آدھ فقیر کے کاٹنے سے آتا تو سب کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس گھر پر فقیر نہیں جاتا اور اسی نام سے یہ گھر محلہ میں مشہور ہو چکا تھا، مگر نسیم نے گھر میں قدم رکھتے ہی محلہ کی جانچ پڑتال شروع کی کہ کیسے کیسے لوگ کس کس گھر میں رہتے ہیں، اول تو محلہ ہی غریبوں کا تھا۔ لے دیکر کوئی مکان تھا تو میاں قسیم کا اور اگر خوش قسمتی سے دو ایک نمبردار اور زمیندار تھے بھی تو اس سال کی طغیانی نے ان کی امیری پر پانی پھیر دیا۔ جس گھر کو پوچھتی ہے فقیر اور جس بیوی سے ملتی ہے مصیبت زدہ۔ کڑکڑاتے جاڑے اور چلہ کی سردی ایک دو نہیں پندرہ بیس گھر ایسے نکلے جہاں تن ڈھانکنے کو چیتھڑا تک نہ تھا۔ پھٹی ہوئی کئی سال کی ایک آدھ رضائی، اور میاں بیوی، بچے اسی میں لپٹ کر پڑ رہے اور رات بسر کر دی۔ بمشکل کیا ناممکن تھا کہ نسیم اس محلہ میں بے خبر رہتی یا باخبر ہو کر بے خبر ہو جاتی، اس نے پچاس لحاف تیار کرائے اور تقسیم کئے یہی نہیں بلکہ دونوں وقت خود کھانا کھانے سے پہلے کئی گھروں میں کھانا بھیجتی، بہت سے بچوں کو اپنے یہاں بلا کر کھلاتی، اور جب اس طرح خدا کی دی ہوئی نعمت کا ایک حصہ خدا کے بندوں پر خرچ کر دیتی تو خود کھانا کھاتی۔

بن باپوں کے بچے اور بن ماؤں کی بچیاں جنکے سر پر سوا خدا کی ذات کے کوئی والی وارث نہ تھا، اور جنکو دو وقت بھی روٹی میسر نہ ہوتی تھی۔ قسیم کے کچہری جاتے ہی اس کے پاس پہنچ جاتے اور پیٹ بھر لیتے۔

صوبیدار احمد علی خاں کی بڑی بیٹی شاید پچاس قدم پر رہتی ہوگی اس نصیب کے

سر سے ماں اور باپ، شوہر اور جیٹھ ہر ایک کا سایہ اٹھ چکا تھا۔ دو لڑکیاں چھوٹی اور ایک آٹھ برس کا لڑکا لیکر، رانڈ ہوئی تھی۔ پانچ چار مہینے جو اثاثہ موجود تھا وہ کھایا جب رزق کے لالے پڑے تو لڑکے کو قسیم کے سپرد کر دیا۔ یہ لڑکا ظہیر چلمیں بھرتا اور پیٹ پالتا۔ نسیمہ اس وقت ایک بچہ کی ماں تھی۔ جس روز چلہ نہائی ہے اس روز کی دھوم دھام خاصی اچھی شادی سے کم نہ تھی تمام عزیز و اقارب جمع ہوئے انواع و اقسام کے کھانے پک رہے اور رنگا رنگ کے طائفے رقص و سرود میں مصروف تھے۔ قسیم نے حقہ کے واسطے ظہیر کو آواز دی۔ بچہ آٹھ برس کی جان بساط ہی کیا، صبح سے بھوکا تھا ماں کے پاس روتا ہوا چلا گیا۔ مگر وہاں بھی اللہ کا نام تھا، آنسو پونچھ چلا آیا تو قسیم نے اس کی غیر حاضری کو سخت قصور سمجھکر پانچ چھ چپتیں نہایت زور سے ماریں معصوم رو دھو پٹ پٹا حقہ بھر ایک کونے میں بیٹھ اپنے باپ کو یاد کر کے رونے لگا قسیم نے پان منگوائے، کوٹھری میں گھستا تھا کہ چوکھٹ کی ٹھوکر لگی اوندھے منہ گرا۔ کتھے کا بھرا ہوا پیالہ پہلے سے گرا پڑا تھا مگر رابعہ کم بخت نے جھٹ اس کا نام لے دیا۔ نسیمہ اٹھکر دیکھتی ہے تو تمام چاندنی لت پت، لاکھ رحم دل تھی مگر کچھ ایسا غصہ آیا کہ ظہیر کا کان پکڑ کر چار پانچ تھپڑ اور دو ایک گھونسے رسید کئے۔ لڑکا اپنی بے گناہی کے متعلق ہر چند کوشش کرتا رہا مگر نسیمہ کو مطلق یقین نہ آیا۔

ظہیر کی ماں کیسی ہی مصیبت ماری کیوں نہ ہو مگر اصل نسل سیدانی اور انقلاب کی پوری تصویر تھی۔ نسیمہ کے آنے پر بھی اس نے مصیبتیں جھگتیں، ساری ساری رات بچوں کے منہ میں اڑ کر کہیں کا دانہ نہ گیا۔ مگر نسیمہ کے آگے ہاتھ نہ پھیلایا۔ مکان کا کرایہ بیالیس روپے چڑھ گئے تھے، مالک مکان قرقی لے کر آیا۔ سیدانی ایک سپید چادر اوڑھے گھر سے باہر نکلی اور قسیم سے آکر کہا "میرے گھر میں کچھ نہیں ہے مگر باپ دادا کی لاج کو لئے بیٹھی ہوں، خود تمہارے حقہ بھرنے والے لڑکے کی ماں

ہوں۔ مگر ایک بڑے باپ کی بیٹی اور آہ اس تحصیلدار شوہر کی بدنام کرنے والی ہوں جس کے جاننے اور دیکھنے والے ابھی اس محلہ میں موجود ہیں۔ قرقی ہوئی تو ہماری آبرو خاک میں مل جائے گی۔ یہ میرے پاس انگوٹھی میرے شوہر کی امانت ہے یا اس کی محبت کی نشانی۔ میں نے سخت سے سخت مصیبت میں بھی اس کو جدا نہ کیا۔ تحصیلدار صاحب فاقوں نے میرے ہوش بگاڑ دیے۔ یہ جاڑے کی سردی اور ٹھنڈی برف راتیں گودڑوں میں بیٹھ بیٹھ صبح کی ہیں۔ مگر اس امانت کو کلیجے سے لگا رکھا ہے۔ آپ مسلمان ہیں اتنا کرم کیجیے کہ اگر اس میں مکان دار کا قرضہ ادا ہو سکے تو للہ مجھے اس مصیبت سے چھٹکارا دلوائیے۔ سیدانی اتنا کہکر انگوٹھی دے روتی ہوئی اپنے گھر آ گئی" اور دونو میاں بیوی نے اس انگوٹھی کو دیکھا تو پارے کے سونے میں بیش قیمت ہیرا جگمگا رہا تھا، جوہری کو بھیجا اس نے چار سو روپیہ کا تخمینہ کیا۔ قسیم نے کرایہ دے انگوٹھی بیوی کو پہنا دی۔

رات کو کھانا دیتے دلاتے نسیمہ کو گیارہ بج گئے، ظہیر بھی کام کاج میں مصروف رہا۔ خدا معلوم دن بھر کی تکان تھی یا غصہ، بھول گئی یا ارادۃً مگر آج نسیمہ نے ظہیر کو کھانا نہ دیا اور پلنگ پر جا لیٹی۔ ظہیر بھوکا تو کل شام سے تھا آج متواتر چھ پہر کا فاقہ اور کام کی کثرت بالکل ہی نڈھال ہو گیا۔ اوپر دیکھا تو آسمان دن بھر کے چھوٹے ہوئے تاروں کو گود میں لیے کھڑا تھا باپ کی شفقت بھری گود یاد آئی اور فاقہ زدہ یتیم نسیمہ کی چوکی کے پاس زمین میں پڑ کر سو رہا۔

نسیمہ پلنگ پر لیٹی تو بجلی کا لمپ دھڑ دھڑ جل رہا تھا اور انگوٹھی کے ہیرے کی جوت پڑ رہی تھی، سیدانی کی تقریر کا خیال آیا تو انقلاب کی خوفناک تصویر آنکھ کے سامنے تھی۔ اسی حالت میں آنکھ لگ گئی تو دیکھتی کیا ہے کہ باپ سامنے کھڑا ہوا اور کہہ رہا ہے:

"بیٹی دنیا کے فانی جلووں پر بھول کر خدا کو بالکل بھول گئیں۔ نسیمہ غور کرو، اور سوچو، یہ انگوٹھی جس پر تم نازاں ہو، عمر کو بہت بڑا سبق دے رہی ہے۔ بیٹی جس چیز نے اپنے مالک سے وفا نہ کی، وہ تم سے کیا کریگی۔ سیدانی کا اقبال تم سے بہت زیادہ تھا مگر آج زمانہ کی رفتار نے خاک میں ملا دیا۔ نسیمہ کس برتے پر یہ تمکنت اور کس بھروسہ پر یہ غرور، مصیبت کی ماری بہن نے تمہارے آگے ہاتھ پھیلایا اور تمہارے در سے خالی گئی، تم نے اس سے وہ چیز لی جو اس کے عمر بھر کے رفیق کی یادگار تھی اور آج اٹھارہ مہینہ بعد اس سے انگوٹھی جدا کروا دی۔ کیوں نسیمہ کیا یہ دنیا تم سے آنکھیں پھیر گئی۔ آہ نسیمہ میری روح کانپ گئی، جب بیگناہ معصوم پر تمہاری چوٹ پڑی ہے۔ کیوں نسیمہ نو من بریانی میں ایک چاول تقدیر کا نہ ہو تو سیدانی کے یتیم اور اس یتیم کا جو تمہاری دہلیز میں دن بھر تمہارا کام کرنے کے بعد چند وقت کے فاقہ سے پڑا ہے۔ نسیمہ بیگم دنیا فانی ہے اور موت آنی۔ حساب برحق اور وعدہ حشر سچا، ڈرو خدا سے اور ایسے ظلم نہ کرو کہ ہماری روحیں لرز اٹھیں۔

(۱۴)

نسیمہ جیسی طبیعت کی عورت جو ظلم تو بڑی چیز ہے۔ ذرا سی کسی کی سختی بھی سہہ لے تو کانپ جائے۔ خواب میں باپ کی صورت دیکھتے ہی تھرا اٹھی۔ اس پر غصہ اور غصہ میں اتنے بڑے راز کا افشا، چاہتی تھی کہ کسی طرح باپ کے قدموں پر گر کر قصور معاف کرائے اور آئندہ کو توبہ کرے مگر وہاں کیا رکھا تھا۔ آنکھ کھلی تو وہی ہیرے کی جوت اور لیمپ کی دھڑ دھڑ۔ وضو کیا نماز پڑھی، دیر تک سجدہ میں پڑی روتی رہی۔ اٹھی ظہیر کو کلیجہ سے لگایا۔ کھانا کھلایا علی الصباح اسکی ماں کے پاس پہنچی انگوٹھی واپس کی اور یہ معمول کر لیا کہ جب تک ظہیر کی ماں اور اس کے بچوں کو کھانا نہ کھلا لیتی خود ٹکڑا توڑنا حرام تھا۔ شوہر کی طرف سے کچھ اطمینان ہونے کے بعد اب نسیمہ کو سب

بڑا فکر دو دھندوں کا تھا، جو گھنٹوں اور گھڑیوں کہیں سے کہیں پہنچ رہی تھیں، بلکہ رابعہ تو بھاوج سے بھی ایک ہاتھ آگے ہی نکل گئی تھی۔ عمر کی زیادہ، مزاج کی تیز، بلے کی دلیر، دیدے کی دلیل اس کا راہ راست پر لانا ہنسی کھیل نہ تھا۔ مگر خدا معلوم نسیمہ کی زبان میں کیا جادو اور تقریر میں کیا اثر تھا کہ جہاں اس نے کلام کیا اور آدمی رام ہوا۔ وہ خوب سمجھ گئی تھی کہ رابعہ غصہ اور خفگی سے بس میں آنے والی نہیں۔ لاکھ عادتیں بگڑ چکیں ہیں مگر پھر لڑکی ہے اور وہ بھی ناتجربہ کار ابھی کچی لکڑی اور تھوڑی سی محنت کی محتاج ہے۔ منت خوشامد کی، بہلایا پھسلایا، غرض جس طرح بنی ہوا راستہ پر لے آئی وہی رابعہ جو کبھی بھول کر بھی نماز کا نام نہ لیتی ایک مہینہ ہی میں ایسی نمازن ہو گئی کہ نسیمہ سے پہلے اٹھتی اور موذن کی اذان کے ساتھ نماز پڑھتی، یا یہ حال تھا کہ لکھنے سے بیزار کتاب سے نفرت، یا یہ کیفیت ہوئی کہ نسیمہ پڑھاتے پڑھاتے اکتا جاتی اور وہ بیچاری نہ چھوڑتی ایک دن کسی ملا کی کتاب میں اس نے دیکھا کہ بھونچال کی کیفیت اس طرح لکھی تھی کہ زمین ایک گائے کے سر پر اور سر بھی نہیں سینگ پر دھری ہے۔ جب وہ گائے تھک جاتی ہے اور دوسرا سینگ بدلنا چاہتی ہے تو ایک پھریری لے کر سارا بوجھ دوسرے سینگ پر لیتی ہے۔ جس سے یہ بھونچال پیدا ہوتا ہے، رابعہ نہایت توجہ اور بلند آوازی سے پڑھ رہی تھی۔ نسیمہ باورچی خانہ میں تھی مارے ہنسی کے لوٹ گئی۔ ضبط نہ ہوا تو باہر آئی، اور نند سے پوچھا یہ کون سی کتاب ہے کیا نام ہے۔

رابعہ۔ اسرار قدرت ہے۔

نسیمہ۔ کس عقلمند کی لکھی ہوئی ہے۔

رابعہ۔ کوئی مولوی عبدالعلی میاں

نسیمہ۔ میں دیکھوں۔

رابعہ بیچی۔

نسیمہ نے رابعہ سے کتاب لے دو ٹکڑے کر چولہے میں جھونک دی، اور کہا ایسی لغو کتاب آئندہ کبھی نہ پڑھنا۔ میں اُس وقت سے اس کتاب کو بھگو اچکی ہوں۔ جو سان کے متعلق تھی۔ یہ حضرت اُن سے بھی بڑھ گئے۔ بھلا تمہاری بھی عقل ہے کہ تمام زمین ایک گائے کے سینگ پر رکھی ہوئی ہے۔ بوا یہ تمام باتیں جاہلوں کے ڈھکوسلے ہیں۔ لوگوں نے مولوی بنکر ان فضول باتوں پر مذہب کا رنگ اس لیے چڑھا دیا کہ کوئی بھی ان جھوٹوں کے آگے رد نہ دیں۔ اب بھونچال کی کیفیت مجھ سے سنو۔

تم نے اپنی عمر میں بہت سے پہاڑ دیکھے ہونگے۔ جب ہم بمبئی سے آرہے تھے تو رستے میں دور تک تم کو یاد ہوگا کہ یہ سلسلہ ختم ہی نہ ہوتا تھا، اسی قسم کے پہاڑ بعض وہ بھی ہوتے ہیں جنکو وہ آتش فشاں کہتے ہیں۔ ان میں گرم مادہ ہوتا ہے اور وہ گرم مادہ پگھلا کرتا ہے۔ تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ دو پتھروں کے رگڑنے سے بعض دفعہ آگ کا چمکارا پیدا ہوتا ہے۔ دور کیوں جاؤ بارہا دیکھا ہوگا کہ گھوڑے کے نعل سے جب وہ زمین سے رگڑتا ہے آگ پیدا ہوتی ہے۔ اگلے زمانہ میں جب دیا سلائی وغیرہ کا رواج نہ تھا، لوگ چقماق پتھر سے آگ نکالتے تھے۔ تو وہاں وہ آگ کا مادہ جو ان پہاڑوں میں پیدا ہوتا ہے، بڑھتے بڑھتے اتنا ہو جاتا ہے کہ تمام پہاڑ پھٹتا ہے یا اس مادہ میں جوش آتا ہے تو ہزاروں کوس دور اس کے پتھر جا کر پڑتے ہیں اور اس کی کیفیت بالکل ایسی ہے جیسے تمہاری تپئی میں اُبال آئے، اصل میں اس کے اثر سے جو صدمہ زمین پر پہنچتا ہے، اسی حرکت کو زلزلہ کہتے ہیں، یہ ضرور نہیں کہ بھونچال ایک وقت میں تمام دنیا پر آئے۔ جہاں جس قدر قریب ملک ایسے پہاڑ کے ہوتے ہیں وہیں اسکا اثر ہوتا ہے اٹلی میں اس قسم کے پہاڑ بہت زیادہ ہیں وہاں اکثر زلزلے آتے رہتے ہیں ایک دفعہ تو دفعتہً ایسا پہاڑ اڑا کہ ہزاروں آدمی مر گئے۔ جس طرح چڑیاں آسمان پر اڑتی ہیں۔ اسی طرح چاروں طرف پتھر اڑ اڑ کر خلق خدا پر برس رہے تھے۔ بوا خدا سب کو ایسے وقت سے بچائے، آمین۔

اب تم سمجھ گئی ہوگی کہ بھونچال کیا چیز ہے۔ کہو تمہاری کتاب تھی جلا دینے کے قابل یا نہیں۔ لاؤ اب میں تم کو اس روز کا سان کا معاملہ بھی بتا دوں کہ یہ کیا ہے اور جاہل عورتوں نے اس کو کیا سمجھ رکھا ہے۔

ایسی عورتیں بہت کم ہوں گی جن کے نیچے ٹونے ٹوٹکے یا گنڈے تعویذوں سے نہ بچے ہوں، عام طور پر بچوں کی موت کا سبب سان سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ نہایت ہی بھل خیال ہے کہ سان بچوں پر عاشق ہے وہ بچوں کو لیجاتا ہے۔ اگر کسی عورت کے ہاں متواتر دو ایک بچے مر گئے تو ایک وہ کو نہیں تمام کنبہ کو اس کے مریض سان ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔ نعوذ باللہ مسلمان ہو کر ایسا خیال کرنا کیسی شرم کی بات ہے اسی قسم کا ایک مرض عورتوں کو ہسٹریا ہوتا ہے۔ جس پر بھوت آسیب کا گمان ہونے لگتا ہے۔ حالانکہ یہ بھی بہت ہی جاہلانہ حرکت ہے۔ ہسٹریا کے متعلق میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ ایک انگریز کی لڑکی اسی مرض میں گرفتار ہوئی اور حالت مرض میں جب وہ بیہوش تھی، اس نے قرآن شریف پڑھنا شروع کیا۔ بھلا خیال کرو ولایت میں ایک انگریز کی لڑکی کا کھلم کھلا کلام اللہ شریف پڑھنا کیسے تعجب کی بات تھی۔ ہمارے ہاں تو جن کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا تھا، اور شاید بعض آدمی تو اس کو کرامت سمجھ لیتے۔ مگر ڈاکٹروں نے جب خوب تحقیقات کی تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ لڑکی کا باپ مصر میں فوج کا کرنل تھا، اسوقت اس بچی کی عمر چار برس کی تھی اور صبح ہی خانساماں کے ہاں کھیلنے چلی جایا کرتی تھی۔ وہ اسوقت قرآن شریف پڑھتا تھا اور یہ گھنٹہ دو گھنٹہ وہیں کھیلتی رہا کرتی، وہی الفاظ اس کے دماغ میں بیٹھے ہوئے تھے جو اب بیہوشی کی حالت میں حافظہ نے دماغ سے لیکر زبان سے

ادا کرا دیئے۔ یہی کیفیت مسان کی ہے کہ جہاں بچہ بیمار ہوا اور پیر جی کی سوجھی، نتیجہ یہ ہوا کہ ایک آدھ سفید مرغ دو ایک بکرے، کچھ نقدا انکی نذر کرنا پڑا۔ میرے رشتہ میں ایک چچی ہیں ان سے زیادہ بدنصیب عورت بھی مشکل سے ہوگی۔ چھ بچے چھ چھ سات سات برس کے ایک ہی مرض میں ایک ہی موسم میں ان کی گودیں خالی کر گئے بیچاری نے ہزاروں گنڈے تعویذ کیئے۔ مگر خاک فائدہ نہ ہوا۔ انکی بابت مجھے تو یاد نہیں کہ کسی نے بھی مسان سے چھوڑا ہو، مگر محض غلط تھا۔ اتفاق سے لیڈی لے آگئیں۔ انہوں نے کہا میں علاج کرونگی۔ بچہ پیدا ہوا۔ انہوں نے ماں کا دودھ نہ دیا۔ بازار کے دودھ سے پرورش ہوئی۔ اب اللہ رکھے کئی بچوں کی ماں ہیں۔ وہ مسان رہا نہ جن بھوت رہا۔ ایک نام تم نے مرت بیا بھی سنا ہوگا، یہ اس کم بخت بچہ کو کہتے ہیں جس کے اوپر کے چار یا پانچ مرچکے ہوں، گویا اس کی ضد صرف اس لیے ہوتی ہے کہ پوری نہ ہو تو لوٹتا ہوا مر جائے۔ اس لیئے اس کی ناز برداری زیادہ کی جاتی ہے۔

بیوقوفی کے علاوہ اس قسم کا عقیدہ کیسا زبردست شرک ہے گویا ایسے بچے کو بچانے کی خدا میں کوئی قدرت نہیں، اس کا مارنے اور جلانے والا صرف مسان ہے۔ حالانکہ تمکو معلوم ہے شرک کیسی بری چیز ہے اور کیسا کبیرہ گناہ ہے۔ مگر اس ممتا کے کارن یہ بے وقوف مائیں سب کچھ کرتی ہیں۔ چوراہے پر کلیجیاں اور سریاں تک رکھکر بودی مشرک بنجاتی ہیں، یاد رکھو ہر بیماری خود انسان کے اپنے جسم سے پیدا ہوتی ہے خواہ بچہ ہو یا بڑھا۔ ہاں بچہ کو وہ مرض جس کو غلطی دیکھ یا پسلی کا چلنا کہتے ہیں اعضاء ضعیف ہونے کی وجہ سے اکثر ہوتا ہے لیکن اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ دودھ کے وقت لال کے خون کے چند قطرے حلق میں ٹپکا دیں اور جہاں تک ممکن ہو قبض نہ ہونے دیں۔ لو اب تمہارا بھوت چڑیل اور مسان سب طے ہوگیا۔

دن کے وقت دونوں لڑکیوں نے باتیں سنیں، رات کو سوئیں تو سوتے سوتے جن بھوت کا خیال دماغ میں چکر لگاتا رہا۔ نسیمہ کا قاعدہ تھا کہ دونوں بچیاں جب سو جاتیں تو اچھی طرح ان کو دیکھکر اور لحاف اڑھا کر خود سونے جاتی۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کوئی کتاب لے کر بیٹھ گئی۔ آج بھی وہ لیٹی ہوئی کچھ پڑھ رہی تھی پڑھتے پڑھتے آنکھ لگ گئی تو رابعہ نے سوتے سوتے کراہنا شروع کیا اور اس ورے کر برابر میں ہا جرہ تھی اس کی بھی آنکھ کھل گئی۔ ڈرتے ڈرتے اٹھی اور بھاوج کو آکر جگایا کہ بھابی جان خدا کے لیے ذرا اٹھئے تو سہی، دیکھئے بیچاری آپا جان کیسی بری طرح خواب میں ڈر رہی ہیں گھگی بندھ گئی۔ نسیمہ اٹھی آکر دیکھا کروٹ بدلوائی جگایا تو رابعہ کا بدن تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اٹھی تو سہی، مگر ایسی خوف زدہ تھی کہ زبان سے کہتی کچھ تھی منہ سے نکلتا کچھ تھا۔ نسیمہ نے پانی پلایا اور تسکین دی، تو کہنے لگی اچھی بھابی جان آپ اپنے پاس سلایئے اور صبح ہی اس گھر کو چھوڑ دیجے۔ اس میں کچھ ہے۔ میں نے جو کچھ دیکھا ہے صبح کہوں گی، اس وقت تو چاہے آپ کاٹ ڈالئے۔ میری زبان ہرگز ہرگز نہ کھلے گی۔ خدا کے واسطے صبح ہی دوسرے گھر میں چلئے رابعہ کے اس اصرار سے نسیمہ مسکرائی، اور کہا اچھا میں تمہارے ساتھ سوؤں گی اور کل ہی گھر بھی بدل دوں گی لو تم پانی اور پیو اور پان کھاؤ، ذرا تمہاری طبیعت درست ہوجائے آدہ گھنٹے کے قریب جب اس معاملہ کو گزر گیا، تو رابعہ نے کہا، دیکھنا بھابی جان میں نے ایسا برا خواب دیکھا کہ کیا کہوں۔ ایک آدمی لمبا تڑنگا کالا بھجنگ بڑے بڑے دانت، لمبے لمبے پاؤں، پھیلائے اور چڑھ بیٹھا۔ بہتیرا ہی دھکے دیتی ہوں ہٹاتی ہوں، مگر وہ ہے کہ ہٹنے کا نام نہیں لیتا، اور وہ تو خدا نے خیر کی کہ آپ نے مجھکو جگا لیا۔ نہیں تو اس نے میرے کھانے کو منہ پھاڑ ہی دیا تھا۔ کیا دانت بتاؤں اس

کے تیر کے بھی لیے نہ ہونگے۔ مجھ کو تو بھائی جان اس وقت اللہ ہی نے بچایا۔

ہاجرہ۔ ہاں بھائی جان خدا کے لیے اس مکان کو چھوڑ دیجئے۔ میں بھی کئی مرتبہ ایسے ہی خواب دیکھ چکی ہوں ایک دفعہ تو میرا بھی یہ حال ہوا کہ ڈر کے مارے ساری رات نیند نہ آئی۔ میں نے تو ایک حبشی دیکھا تھا۔ اب بھی جب کبھی خیال آتا ہے تو کانپ جاتی ہوں۔ ظہیر کہتا تھا کہ اس کمرے میں سید کی قبر تھی سرکار نے تڑوا دی نہیں تو یہاں جمعرات کے جمعرات رات بھر گانا ہوتا تھا۔ اور صبح کو کوئی بھی نہیں دکھائی دیتا تھا۔

رابعہ۔ وہ جو مغلانی حصے کرائی تھی۔ اس نے بھی مجھ سے کہا تھا کہ یہاں سید صاحب کا مزار ہے، کوئی بے ادبی نہ کر بیٹھنا نہیں عمر بھر کو اپاہج ہو جاؤ گی۔

نسیمہ۔ واہ ری دیوانی لڑکیوں، ارے نیک بختوں یہ تو بتاؤ کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے آجتک کتنے آدمی پیدا ہوئے اور مرے، یہ بے تعداد جسم کہیں تو ضرور دبے یا جلے ہوں گے، آخر تمہاری زمین جو اس قدر بڑی ہے کہاں تک ان آدمیوں کو کافی ہو سکتی ہے اور کون سی ایسی جگہ ہو گی، جہاں کوئی روح نہ نکلی ہو یا کوئی جسم نہ جلایا دبایا ہو کہیں پیدا ہوئی کہیں جلی کہیں دبی۔ پھر جب ہر جگہ اس کا ظہور ہے تو اگر یہاں قبر تھی تو کیا مضائقہ تھا۔ تم دیکھتی نہیں ہو کہ ریل میں لاکھوں کروڑوں قبریں آئیں اور مسمار ہو گئیں۔ اگر وہ جسم کچھ بھی تھے تو انکی چھاتی پر ریل گاڑی کروڑوں من کا بوجھ لیکر گزر جاتی ہے اور اسکا کچھ نہیں کر سکتے۔ پانڈوں اور کوروں کی لڑائی میں تھانیسر کے میدان میں خون کے نالے بہہ گئے، کتنی روحیں وہاں نکلیں مگر اب کیا وہاں ہے؟ بیٹیوں ایسی جگہ تو تمکو تمام سطح زمین پر مشکل سے ملیگی جہاں کوئی قبر وغیرہ نہ ہو۔ پھر یہ وہم تمہارے دل میں کیوں بیٹھا ہوا۔ بات در حقیقت یہ ہے کہ جو باتیں تمہارے سامنے ہوتی ہیں، جو وہم تمہارے دل میں آتے ہیں

جو خیال تمہارے پاس ہوتے ہیں وہ بعض دفعہ دماغ میں چکرا کر خواب کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، اتم خواب میں مبالغہ تو دیکھ سکتی ہو مگر ایسی چیز نظر نہیں آتی جو تم نے کبھی نہ دیکھی ہو، یا تمہارے وہم و گمان میں بھی نہ آسکے۔ اس لیے خواب کو یقینی سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ البتہ وہ خدا کے سچے بندے جنکو خواب میں اشارتیں ہوئیں یا جن کے خواب برحق ہوتے تھے، اُن کا ذکر نہیں ہے لیکن ہم جیسے گنہگار کیا اور ہمارے خواب کیا، یہ تمام اثر قلب کا نتیجہ ہوتا ہے جس وقت سوتے میں دل دب جاتا ہے اور اس کی حرکت پر برا اثر پڑنے لگتا ہے تو ایسی وحشتناک صورتیں اور خواب دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ ہاجرہ بیگم تم نے دیکھا نہیں تھا کہ سب سے پہلے میں نے رابعہ کا ہاتھ دل پر سے اُٹھایا تھا۔ ہاتھ اُٹھاتے ہی وہ جتنا بوجھ معلوم ہوتا تھا اور جس میں دبی ہوئی تھیں الگ ہو گیا، کروٹ دلواتے ہی اُٹھ بیٹھیں کیسا جن اور کس کا ڈر۔ مکان بیچارے سے ان باتوں کا کیا واسطہ۔ انسان سے بڑی طاقت بھی کوئی دنیا میں ہے جس نے ہاتھی اور شیروں تک کو قبضہ میں کر لیا۔ چلتے دریا روک لیئے دریاؤں کا رُخ بدل دیا بڑے بڑے پہاڑ جو زمین کے سینہ پر پاؤں گاڑے کھڑے تھے ڈھا دیئے اور زمیں پیدا کیں، ہوا کو قبضہ میں کیا، آسمان پر اڑا، تمہارے گراموفون ہوائی جہاز اس کا ثبوت موجود ہیں، پھر بتاؤ انسان سے زیادہ طاقتور شے کیا ہے۔ صرف عقل کا پھیر ہے اور کچھ نہیں، انسان کے پاس عقل ایک ایسی طاقت ہے جس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ تم پڑھی لکھی ہو کر ان وہموں میں پھنس گئیں، واہ واہ، بچپن سے تمہاری طبیعتیں ڈرپوک، تمہارے دل بودے بنائے گئے تھے۔ اس لیے تم ڈرتی ہو ورنہ انگریزوں کے بچوں کو کیا شام کے وقت باغوں میں اور جنگلوں میں درختوں کے نیچے اور دریاؤں کے اوپر نہیں دیکھا ان کو کوئی چیز نہیں ستاتی نہ ڈر ہوتی ہے نہ سایہ۔ پھر دیکھو وہ کیسے کیسے کام کرتے ہیں۔

(15)

ہمارے ہاں بی شادی اور ہوا ایسی ظالم چیزیں ہیں کہ بیوقوف لڑکیاں محض اپنے آرام کی خاطر کہ کسی طرح بچہ سو جائے شروع ہی سے اس کو ڈرپوک بنا دیتی ہیں۔ اسی قسم کی ایک چیز افیون بھی ہے جو صرف اس لئے دی جاتی ہے کہ بچہ غنیں ہو کر پڑ جائے اور ماں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو، حالانکہ یہ بچے بڑے ہو کر افیم کے اثر سے سُست اور کاہل ہو جاتے ہیں، بلکہ بعض دفعہ افیم نہیں میسر ہوتی تو بیمار پڑ جاتے ہیں یہاں تک ہوا ہے کہ افیم کی ڈبیہ ماں نے لاپروائی سے رکھدی اور بچہ نے اُٹھالی کھُل گئی اور اس نے افیم کا انٹا منہ میں کہہ لیا ماں کو خبر بھی نہیں ہوئی اور بچہ سویا تو ایسا سویا کہ پھر اُٹھنے کا نام ہی نہ لیا۔

تم کو بھی دنیا میں مائیں بننا ہے۔ اس لئے میں تم کو یہ باتیں سمجھاتی ہوں بچوں کی پرورش اور تربیت علٰحدہ علٰحدہ چیزیں ہیں، تربیت بجائے خود ایک مشکل کام ہے۔ لیکن پرورش بھی اس سے کم مشکل نہیں ہے۔ بہت سی مائیں صرف پرورش میں غلطیاں کرنے سے بچوں کو ملک عدم میں پہنچا دیتی ہیں۔ عام طور پر لڑکی یہ سمجھتی ہے کہ اس کا بچہ جب زیادہ بھوکا ہے اور دودھ کے واسطے روتا ہے۔ لیکن بات یہ نہیں ہے وہ اکثر کسی تکلیف کی وجہ سے بھی روتا ہے، مگر نتیجہ اُلٹا نکلتا ہے۔ فرض کرو اس کے پیٹ میں درد ہے وہ پاؤں سکیڑ رہا ہے جو درد کی اصلی پہچان ہے۔ مگر ماں نے اور دودھ ٹھونس دیا۔ حالانکہ خرابی دودھ کی تھی، درد بڑھ گیا۔ بچہ میں اتنی طاقت تو ہوتی نہیں کہ وہ اپنی تکلیف کا اظہار کر سکے۔ لیکن جہانتک اس کی بساط ہوتی ہے وہ کرتا ہے، یاد رکھو اگر اندرونی کوئی تکلیف ہے تو ضرور بچہ اپنا ہاتھ اوپر لیجائے گا خواہ وہ وہاں تک نہ پہنچا سکے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جسم کے اس حصہ میں تکلیف ہے۔ نہ یہ کہ بچے کے منہ میں روتے ہی دودھ دیدیا، اور سلانے کی کوشش کی

لڑکیوں کو جب ان کے بچے ذرا بھی ہاتھ بڑھانے کے قابل یا کوئی چیز اُٹھا کر منہ میں رکھنے کے لائق ہو جائیں، اس بات کی سخت احتیاط ہونی چاہئیے کہ ان کے سامنے کوئی خطرناک چیز نہ آئے، میری رشتہ کی ایک خالہ تھیں، اُن کے ہاں کئی بچے جا کر ایک بچہ بچا، کیسا پیارا بچہ کہ غیر کو بھی پیار آئے، خدا خدا کر کے نو دس مہینہ کا ہوا تما باوا سب پروانہ تھے، ہونی شدنی، روپیہ پیسا، پیسے ڈبکنے میں ڈال کسی کام کو چلی گئیں، بچہ کھیل رہا تھا، پیسہ اُٹھا منہ میں، پیسہ گول چیز ہے، حلق میں جا کر اٹکا اٹکا بتیاب ہو گیا، نکالنے کی ہر چند کوشش کی، مگر نہ نکلا، فوراً ہسپتال لے گئے، وہاں بھی نہ نکل سکا تو انہوں نے چیر پھاڑ کی، مگر کامیابی نہ ہوئی، پیسہ پیٹ میں چلا گیا، سولہ سترہ روز کے بعد پیسہ اپنا رنگ لایا، لاکھوں ہی جتن کر ڈالے مگر کچھ بھی نہ ہوا، غرضیکہ دس مہینہ کا پلا پلایا بچہ صرف ماں کی ایک ذرا سی غلطی سے موت کی نذر ہوا۔ نگوڑے منگ پھلی کے چھلکے کی بھی کوئی اصلیت ہوتی ہے، ایک جگہ اسی نے اٹک کر ایسا فتور مچایا کہ اس بچہ کی بھی ماں کے ہاتھوں جان ضائع ہوئی، تو بیویوں یاد رکھو کہ یہ بے زبان معصوم قدرت نے جو تمہارے سپرد کئے ہیں، اُنکی پرورش جہاں تمہارا فرض ہے وہاں یہ قدرت کی امانت بھی ہیں، اور اُنکی موت کی تم ذمہ دار بھی ہو گی۔ بچہ کی موت کے یہ معنی نہیں کہ مانے، رو دھو کر صبر کر لیا۔ نہیں بلکہ اس کی پرورش میں اگر غلطی ہوئی جس کا نتیجہ خواہ موت ہے۔ یا اس کے عادات و اطوار کا بگڑ جانا، تو اس کی ذمہ دار ماں ہی اور صرف ذمہ داری فرض نہیں بلکہ اس کو اس کا خدا کے ہاں جواب دینا ہے، تو سمجھ لو کہ بچہ کا پیدا ہونا گڑیا کا کھیل نہیں ہے۔ بلکہ ماں پر ایسی ذمہ داری آ کر پڑی کہ ذرہ بھر غفلت میں دین و دنیا دونو برباد ہو نگے، اس کی صحت کا درست رکھنا اس کی عادتوں کا اچھا ہونا، یہ صرف ماں کا کام ہے اور اس کو بتانا ہے کہ اس نے اگر خدا کی ایک مخلوق ہونیکی حیثیت سے قدرت کے اس انتظام کو پلٹ کیا کا سکی وجہ سے

نسل انسانی بڑھی تو ایک ماں ہونے کی حیثیت سے اس نے اس کو کس طرح پالا۔ اور کس طرح اٹھایا۔ میری بچیو ان باتوں کو کان میں ڈال رکھو۔ نہ معلوم اس وقت جب تم مائیں بننے کے قابل ہو، میں ہوں یا نہ ہوں، مگر میں چاہتی ہوں کہ یہ باتیں تمہارے کان میں پڑی رہیں۔

(۱۶)

نسیمہ کو پلول میں رہتے سال بھر سے زیادہ ہو گیا۔ بچہ بھی ماشاء اللہ گھٹنوں چلنے لگا تھا۔ دونوں بیویاں اور تیسری ماں اس ننھے سے ننھے پر نثار تھے اور سچ یہ ہے کہ وہ جان ہار باتیں ہی ایسی غضب کی ڈھاتا تھا، کہ سب اس کے دیوانے تھے۔ قسیم کہنے کو سرکاری کاموں میں زیادہ الجھا رہتا تھا مگر کیفیت یہ تھی کہ ذرا سی فرصت ہوئی اور گود میں لیا۔ شام کو روزانہ خود لے کر سیر کو جاتا۔ دوست آشنا ہنسی بھی اڑاتے مگر اس کی فریفتگی میں فرق نہ آتا۔ بچہ کی حالت یہ تھی کہ جہاں شام ہوئی ادھر پانچ بجے اور ادھر وہ کھسکتا کھسکتا چوکھٹ میں جا بیٹھا اور لگا ابا ابا کہکر آوازیں دینے۔ باپ نے کپڑے اتارے اور اس نے ہوا خوری کی ہندوستانی جوتی اٹھا آگے پھینک دی۔ نسیم گھر بھر کا کھلونا تھا کہ اس اتنی سی جان پر سب کی جانیں لڑی ہوئی تھیں۔ جوں جوں اس کی عمر میں ترقی ہوتی تھی ماں اور باپ دونو کا خون اس کو دیکھکر چلوؤں بڑھتا تھا۔ زبان کا کھلنا تھا کہ دونو ماں باپ لٹو ہو گئے۔ ذرا وہ ضد کرتا تو نسیمہ سے زیادہ قسیم بے چین ہو جاتا۔ ایک آنکھوں کے دکھنے میں اس نے قسیم اور نسیمہ دونوں کو رات رات بھر جگایا اور پلک سے پلک نہ جھپکنے دی۔ نسیمہ تو خیر ماں تھی جتنا بھی لیتی اور جو کچھ بھی کرتی کم تھا مگر قسیم کی اس اندھا دھند محبت کا نتیجہ یہ ہوا کہ نسیم ماں سے بھی زیادہ باپ کے پاس رہنے لگا، رات کو جب آنکھ کھل جاتی تو آنکھیں بند، گردن نیچی، سینہ ہاتھ، باپ سے لپٹ کر سو گیا۔ ذرا

باپ کے سر میں درد ہوا، اور وہ ننھے ننھے ہاتھوں سے سر دبانے بیٹھ گیا۔ باپ نے منہ دھویا، اور وہ دوڑا تولیا لینے۔ یہ تھیں وہ باتیں جنہوں نے نسیم کا سکہ قسیم کے دل پر بٹھا دیا، وہ بچہ کے آگے بیوی کو بھی بھول گیا۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ نسیم رو دیا اور قسیم نے کہا، سب کام چھوڑ پہلے اس کو لے لو۔ نسیم کی تیسری سالگرہ ہو چکی تھی اور قسیم کا تبادلہ نصیر پور کا ہوا۔ نہ معلوم یہاں کی آب و ہوا کا اثر تھا یا یہاں والوں کی کارستانی کہ اچھے اچھے ملا اور سیانے ڈگمگا جاتے تھے۔ قسیم سیدھا سادھا آدمی وہ ان لوگوں کی چالوں کو کیا سمجھتا تھا۔ دہرے کی دعوتیں ہوئیں۔ کھلم کھلا جلسے اور علی الاعلان ناچ گانے ہوئے۔ بڑی خرابی یہ آکر پڑی کہ خود تحصیلدار اسی رنگ کے تھے، شروع میں تو قسیم نے کچھ گریز کرنا چاہا۔ مگر ماتحتی کا معاملہ کہاں تک پرہیز کرتا خوشی سے یا جبر آجاتا اور شریک ہوتا۔ اب تک آنکھیں بند تھیں، گھر یا گھر کی چار دیواری دن ہو یا رات، زندگی کی کل کائنات ایک بیوی ایک بچہ، اب جو دیکھا تو دنیا کے رنگ ہی اور ہیں، یہ خوان گوناگوں نعمتوں سے پُر انواع و اقسام کی آسائشوں سے لبریز اور طرح طرح کے میووں سے بھرا ہوا ہے۔ آنکھیں کھل گئیں، خیالات فاسد جمع ہونے شروع ہوئے، لاکھ کوشش کرتا کہ اس آن میں فرق نہ آئے مگر اس کا کیا علاج کہ نہ گھر میں جی لگتا نہ کچہری میں، بیوی زہر لگتی بچہ دشمن معلوم ہوتا۔ یا اس صحبت سے نفرت تھی یا یہ رغبت ہوئی کہ کچہری کے چھ گھنٹے قید معلوم ہوتے، چھوٹا اور پہنچا نوبت یہاں تک پہنچی کہ دن رات کے ۲۴ گھنٹوں میں گھڑی آدھ گھڑی کو کھڑے کھڑے آتا، مزاج میں غصہ دل میں کپٹ آنکھ میں میل تیوری پر بل الٹی سیدھی ایک آدھ بات کی اور دیوانخانے میں جا لیٹا، پھر یہ بھی حکم نہ تھا کہ کوئی وہاں آ سکے۔ نسیمہ تو خیر بیوی تھی اور بیوی بھی دور اندیش اس نے قسیم کی محبت پر کبھی بھروسہ ہی نہ کیا۔ وہ جانتی تھی کہ آندھی کے آم ٹھہرنے والے نہیں مگر معصوم بچہ پر

سخت مصیبت آ کر پڑی اس کو تو ماں کا بچھونا بھی باپ ہی کی گود تھی، یہ باپ کی
بے اعتنائی بھولا سے کلیجے پر سخت چرکا تھا ساری ساری رات اور پورے پورے
دن باپ کو یاد کرتا۔ ابا ابا کہتا اور روتا۔ تین ساڑھے تین برس کا بچہ بہت سی
باتیں اپنی سمجھ کے لائق خاصی سمجھ لیتا، دیوانخانہ اچھی طرح پہچانتا تھا، گرتا پڑتا
باپ کے پیچھے اس کے پاس پہنچتا اور وہ کم بخت رُخ نہ کرتا، بارہا ایسا ہوا ہے کہ وہ
ابا ابا کہتا ہوا، روتا بلکتا اس کے پیچھے گیا اور ظالم نے بازو پکڑ کر گھر میں چھوڑ کر
کنڈی لگا لی اور وہ مٹر مٹر باپ کی صورت تکتا رہ گیا، اس لڑکے نے نسیمہ کی
جان پر بنا دی۔ بہتیرا نسیمہ اس کو بہلاتی، چمکارتی اور سمجھاتی، مگر باپ کی یاد
ننھے سے دل سے دم بھر کو بھی فراموش نہ ہوتی۔ ایک دن رات کے وقت گیارہ
بجے ہوں گے۔ نسیمہ اپنے لال کو کلیجے سے چمٹائے بے خبر پڑی تھی کہ باپ کے
ہنسنے کی آواز سے نسیم کی آنکھ کھل گئی، سیدھا اٹھ مسکراتا ہوا باپ کے پاس
چلا گیا، بچہ کا آنا اس وقت جب کہ قسیم اپنے نئے دوستوں کی صحبت میں مزے
اڑا رہا تھا، بہت ہی غضب معلوم ہوا، اس بے دردی سے اس کو باہر نکالا
کہ دیکھنے والے بھی دنگ رہ گئے، بچہ کی بے غیرتی سمجھو یا فرط محبت کہ دالانوں
میں جا کے کھڑا جھانکتا رہا اور باپ کو محبت سے آوازیں دیتا رہا۔

ایک مہینہ مشکل سے اسی طرح گذرا ہوگا، قسیم کی دونوں بہنیں، بھائی
بھاوج کی اجازت سے چند روز کے واسطے وطن گئیں، اور صرف نسیمہ اور اس کا
بچہ گھر میں رہ گئے۔

خدا کی باتیں خدا ہی جانے، مگر اتنا ہم بھی جانتے ہیں کہ بیس پچیس
روز تک باپ کی اس سنگدلی پر بھی نسیم پر کوئی خاص اثر نہ تھا اور یہ
کہنا غلط نہ ہوگا کہ وہ صبر و تحمل سے کام لیتا رہا۔ اس نے باپ کی بیدردی

یا ظالم کا ظلم اچھی طرح جھیل لیا، اور ضبط کیا، مگر اس کے بعد ننھی سی جان زیادہ
تاب نہ لا سکی۔ ایک دن ادھر قسیم گھر آیا، اور ادھر وہ جا کر باپ کے پاؤں میں
لپٹ گیا۔ بہت ممکن ہے یہ خیال کیا جائے کہ نسیمہ نے سکھا دیا ہو مگر اس کا پیٹ
پیچھا ہے وہ مر گئی ہم کو مرنا ہے۔ نسیمہ اس شان کی عورت نہ تھی، وہ ایسی پھوپھی کی
بھتیجی اور ایسی استانی کی شاگرد تھی، کہ فاقے پڑتے، در در بھیک مانگتی مگر قسیم
جیسے شوہر کی نگاہ میں ذلیل نہ ہوتی، نسیم کا یہ فعل اس کا ذاتی تھا کہ باپ
کا پاؤں پکڑ لیا، اور نہ جانے دیا۔ لیکن افسوس شقی القلب باپ نے اس طرح
پاؤں جھٹکا، کہ بچہ کے منہ میں ایڑی لگی اور خون نکل آیا، وہ تڑپتا ہی رہا
اور قسیم یہ جا وہ جا۔

اس واقعہ کا تیسرا روز تھا کہ نسیمہ نے بچے کو نہلایا، سر میں تیل ڈالا کنگھی کی
کر چکی تو اس کی صورت دیکھی پیار آیا، گود میں اٹھا کلیجہ سے لگا لیا، مگر آنکھ
سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ نسیم ماں کی یہ حالت دیکھکر کچھ ایسا بے چین ہوا
کہ اپنے کرتے کے دامن سے ماں کے آنسو پونچھے۔ اور کہا اماں جان
کیوں روتی ہو۔

نسیمہ۔ بیٹا رو نہیں رہی، چلو! چلکر لیٹ جاؤ۔

نسیم۔ اماں۔ ابا ہم کو گود میں نہیں لیتے، خیر میں اب بڑا ہو جاؤں گا
میں بھی ابا ہی کو گود میں لونگا۔ ان کو کبھی نہ لوں گا۔

نسیمہ بچہ کی بات پر مسکرا دی خوب بھینچ کر پیار کیا۔ اور کہا اللہ تمہاری
عمر دراز کرے۔ تم جیتے رہو، بس یہی سب کچھ ہے۔

دوپہر ہو چکی تھی، لے کر لیٹی، تو بچہ سو گیا، ظہر کی اذان ہوئی تو نماز کو
اٹھی فارغ ہو کر بچہ کے پاس آئی تو اس کا بنڈا پھکا تھا کلیجہ دھک سے ہو گیا

بچہ کو تو اس غضب کا بخار چڑھا کہ الٰہی توبہ عشاء کے وقت تک وہ معصوم جنوں کی طرح بن رہا تھا، اتنا بڑا ڈھنڈار گھر ماما چلی گئی اور نسیمہ اپنے لال کو گود میں لیے پڑی رہی۔

دن کی اس کی باتیں یاد آئیں کلیجہ پر تیر برسے لمحہ لمحہ بعد دیکھتی تھی کہ شاید بدن پسیج گیا ہو، مگر وہاں تو بھاڑ بن رہا تھا۔ آدھی رات کا وقت دل ہوا ہو گیا نسیم آج کسی خاص جلسہ میں تھا اور معصوم بچہ ظالم باپ کو بخار کی حالت میں خواب میں دیکھ رہا تھا، دفعتہً آنکھ کھولی۔ ابا کہہ کر ما سے لپٹ گیا اور پھر آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ ما نے ہر چند چمکارا مگر وہ روتا پیٹتا گود سے اترا، اور دیوان خانے کی طرف چلا۔ نسیمہ نے بچے کے پکڑنے میں کمی نہیں کی، مگر کلیجہ گوارا نہ کرتا تھا کہ اس کو روک لے۔ وہ دیوان خانے کے دروازے پر گیا۔ اور باپ کو بلاتا رہا لاکھ نسیمہ کہہ رہی تھی کہ بیٹا ابھی نہیں آئے مگر وہ بلک رہا تھا اور کہہ رہا تھا ابا جان اندر لیٹے ہیں کنڈی لگا لی ہے۔ نسیمہ نے بچہ کو گود میں اٹھا لیا۔ آسمان پر کالی گھٹا چھائی ہوئی تھی اور ہوا زور شور سے فرّاٹے بھر رہی تھی، بچہ کو لے اندر کے دالان میں آئی، منہ پر منہ رکھا پیار کیا۔ چمٹایا گلے میں ہاتھ ڈالے، ننھے ننھے ہاتھوں کو سینہ پر رکھا، اور رو کر کہا "معبود حقیقی یہ دکھیا مصیبت زدہ نسیمہ کا لال تیری امانت ہے، الٰہ العٰلمین مجھ بدنصیب پر رحم کیجیو، سچے آقا، اچھے معبود دکھیاری کا لال، شکستہ دل کا چراغ ہے" نسیمہ یہیں تک پہنچی تھی۔ کہ نسیم پھر اٹھا، اور کہنے لگا، اچھی اماں جان چھوڑ دو، دیکھو ابا جان کھمبوں کے پاس کھڑے ہیں۔ اچھی میری اماں جان ان کو بلا دو۔

نسیمہ کے پاس اس کا جواب کچھ نہ تھا۔ آنکھ سے آنسو کی جھڑیاں بہ رہی تھیں کبھی اس کو سینہ سے لگاتی اور کبھی اس کی ضد پر چھوڑ دیتی۔ تین بج چکے

تھے۔ بخار جنبش نہ کھاتا تھا اور چار برس کا پلا پلایا بچہ آج ما کے ہاتھوں میں تھا بارش زور شور سے ہو رہی تھی اور اس عظیم الشان مکان میں ایک بدنصیب اپنے کلیجے کے ٹکڑے کو لیے بیٹھی تھی، ماتھے پر ہاتھ پھیرتی، پاؤں کو پیار کرتی بلبلاتی اور روتی، بچہ نے پانی مانگا، رات کا وقت تھا۔ گود میں لے کر دروازہ پر آئی کہ کسی سے شربت منگوا کر معصوم کا حلق تر کر دوں مگر سڑک پر سناٹا تھا الٹی لوٹی اور یہ کہہ کر پانی پلایا۔ کلیجے کے ٹکڑے شربت بھی نصیب نہ ہوا۔

اس فقرے نے نسیم پر کچھ ایسا اثر کیا، کہ وہ اٹھ بیٹھا، ما رو رہی تھی اس کو پیار کیا، اور کہا، اماں تم روؤ نہیں، میں اچھا ہو جاؤں گا، ابا جان اب بخار اتر رہا ہے۔

ایک بجلی گری جس نے نسیمہ کے تمام بدن میں آگ لگا دی، ماتما کی ماری بچہ کے پاؤں پر گر پڑی اور کہا میں اپنے بچے کے صدقے، نہیں میں نہیں روتی۔ ہاں بیٹا اب بخار اتر رہا ہے۔

نسیمہ اتنا ہی کہنے پائی تھی کہ نسیم کو پھر غفلت ہوئی اور ماں کا منہ اس کے ہونٹوں پر تھا، کہ وہ چونکا، اور کہا، اچھی اماں وہ آ گئے، ابا آؤ ابا......

بہتیرا ہی نسیمہ نے اس وقت بہلانا چاہا، مگر بچہ نہ سنبھلا، کھڑا ہوتا تھا مگر گرا۔ گرتے ہی ما نے گود میں لیا لیٹتے ہی آنکھیں پھیر لیں "ابا" زبان سے نکلا مگر پہلی ہی آواز پر اس حالت میں کہ بدنصیب ماں کی نگاہ اپنے لال کے چہرہ پر تھی اس کو ایک ہچکی آئی آنکھیں ماں کی صورت پر اور زبان باپ کی یاد میں تھی کہ نسیمہ کی گود میں اس کا لال ہمیشہ کی نیند سو گیا۔

(۱۷)

نسیم کی موت بدنصیب ما کے واسطے ایک ایسا مصیبت کا پہاڑ تھا

جس نے رہے سہے ہوش وحواس بگاڑ دیئے، اکیلی ٹہروں دن بھر پڑی رہتی زیادہ بے تاب ہوتی، رونے لگتی، کلیجہ میں ایک ہوک اٹھتی، دل پر چوٹ لگتی آنکھوں میں اندھیرا آتا، دماغ میں چکر آتے، دیوانوں کی طرح پھرتی۔ سودائیوں کی طرح رہتی اور کوئی اللہ کا بندہ آشنا نہ تھا کہ دو باتیں کرتا اور اس کا غم غلط ہوتا۔ نسیم کے ٹھاٹ ہی اور تھے۔ اس کا دل پہلے ہی بیوی بچے کی طرف سے اُچاٹ ہو چکا تھا۔ بچ تو درکنار اس کو ملال بھی نہ ہوا، اور دو ایک روز کے بعد خیال بھی جاتا رہا۔ مگر ہاں مامتا کی ماری ماں نسیم جیسے لال کو پال پوس گہری گور میں سلا زندہ در گور ہوگئی۔ کیسا کھانا پینا اور کس کا اٹھنا بیٹھنا۔ دو دو تین تین وقت صاف نکل جاتے۔ بڑی مشکل سے کچھ لے کر بیٹھی اور پہلا ہی نوالہ گولی بنکر حلق میں رہ گیا بچہ کی یاد آتے ہی بھوک پیاس سب اُڑ گئی۔ دروازے پر جا کر جھانکتی سڑک پر چاروں طرف دیکھتی چھتوں کی طرف گھورتی۔ لیکن وہ چاند سی صورت نظر نہ آتی، چاند اس کے سر پر چمکتا، بادل اس کے سر پر آتے بوندیاں اس کی گود میں گرتیں ہوا اس کے بدن پر پڑتی مگر بچہ کی جھلک نہ دکھائی دیتی، چاند سے باتیں کرتی، ابر کے ٹکڑوں سے خطاب کرتی، روتی اور کہتی: "کالے کالے بادلوں گھر گھر کر آؤ، چاند کو چمکاؤ، تاروں کو دمکاؤ، گرجو، برسو، پانی گراؤ، بوندیاں برساؤ سبزے اگاؤ، پھول کھلاؤ، کھیتیاں سیراب کرو، پودے شاداب کرو۔ مگر آہ میرے لال کی صورت نہ دکھاؤ۔ مہینہ بھر کے قریب نسیمہ کی یہ کیفیت رہی۔ پھوپی کو اسکی حالت کا پورا اندازہ تھا۔ جب طبیعت زیادہ بگڑنے لگی تو پھوپھی نے یہ خط لکھا۔

"نسیمہ پیاری کو پھوپی کی طرف سے دعا، بیٹی تمہاری مصیبت اور کیفیت معلوم ہو کر افسوس بھی ہوا اور تعجب بھی میں جانتی ہوں تمہاری آنکھوں میں دنیا اندھیر ہوگئی نسیم جیسا لال تمہاری گود خالی

تمہارا گھر سونا اور تمہاری زندگی برباد کر گیا، تم جتنا روؤ کم اور جو کچھ کرو تھوڑا۔ مگر بیٹی دنیا کا یہی دستور ہے، تمہارا بچہ انوکھا نہیں مرا قبرستان میں جا کر دیکھو اتنی اتنی قبریں ہزاروں دکھائی دیں گی یہ بھی تو کسی کے کلیجے کے ٹکڑے تھے۔ چھاتیوں پر سوئے سینوں پر لوٹے اور آج ہزاروں من مٹی کے نیچے دبے پڑے ہیں۔ جن ہاتھوں سے ان کو لوریاں دیں ان ہی ہاتھوں سے گہری نیند سلا دیا۔ دنیا اسی کا نام ہے، یہ سلسلہ چل رہا ہے اور چلے گا۔ قدرت کا انتظام ہے پورا ہو رہا ہے اور ہوگا، تمہارے یا میرے روکے رک نہیں سکتا۔ نسیم تمہاری ملکیت نہ تھا، تمہارے پاس امانت تھی، جب تک جی چاہا چھوڑی، اور جب جی چاہا لے لی۔ تم رونے والی کون۔ اولاد تم زندگی ہے، مگر بہت کم ہوں گی ایسی مائیں جو اس مصیبت سے آشنا نہیں، کیا درخت کے سب پھل باغبان ہی کی ملکیت میں نہیں ان میں کچھ پکے گرتے ہیں، کچھ طوطے کھاتے ہیں، کچھ برباد ہوتے ہیں۔ تم نے ابھی دنیا کا کیا دیکھا ہے۔ یہ انسانی زندگی کے نشیب فراز ہیں، اگر تکلیف نہ پہنچے اور مصیبت نہ آئے تو انسان خدا کو بھول کر بھی نہ یاد کرے۔ خدا ایسے ہی وقت پر یاد آتا ہے اور ان ہی موقعوں پر اس سے لو لگتی ہے۔ تم اس مصیبت سے اکتا گئیں جو در حقیقت مصیبت نہیں۔ تم مسلمان ہو اور قرآن وحدیث تمہارا ایمان کیا تم کو معلوم نہیں کہ حضور اکرم نے یہ فرمایا کہ چھوٹے چھوٹے معصوم میدان حشر میں ماں باپ کی مغفرت کرائیں گے، دنیا اچھی طرح یا بری طرح سب کی گزر رہی ہے اور گزرے گی۔ اسی بہانے سے

نسیم تمہارے واسطے توشۂ آخرت اور سبب مغفرت ہو گیا۔ اصل مرحلہ تو وہاں کا ہے، یہ تو سیمیائی جلوے اور کیمیائی نظارے ہیں، کیا تم کو وہاں جانا نہیں۔ اس وقت کو بھی آیا سمجھو، آنکھ بند کرنے کی دیر ہے۔ یہ رات کوئی دم میں صبح ہوئی، اور سفر شروع ہو گیا، کیسی کٹھن منزل اور کڑا راستہ ہے، جہاں آدمی نہ آدم زاد سنگی نہ ساتھی، سہیلیاں نہ ہمجولیاں۔ صرف اپنے اعمال اور اپنے افعال، نسیمہ بیگم اس وقت کون مددگار ہوگا، حسرت و یاس سے چاروں طرف دیکھو گی، اور کوئی صورت نظر نہ آئے گی۔ ایک عظیم الشان دربار، ایک زبردست حاکم تخت حکومت پر ہوگا اور ایک عاجز انسان۔ ایک بندہ گنہگار کی ہستی نسیمہ اس نازک وقت میں مجھ جیسی عاشق زار پھوپھی اور زاہد جیسا غمگسار باپ بھی مصیبت میں گرفتار ہوں گے۔ ہاں اس وقت ایک بچہ دوڑ کر تمہاری چھاتی سے چپٹے گا، اور تمہارا ہاتھ پکڑ کر جنت میں لے جائے گا۔ اور وہ تمہارا پیارا لال نسیم ہوگا، تم نے اپنے واسطے پہلے سے ایک سامان بھیج دیا، اور وہ سامان اس آڑے وقت میں تمہارے کام آئے گا۔ مگر آج تم اپنے آنسوؤں سے اس پھول کو پامال کرتی ہو۔ اس سے زیادہ لغزش اس سے بڑھ کر بے وقوفی کیا ہوگی۔

میں نے میاں قسیم کا حال بھی سنا، وہ ماشاء اللہ سمجھدار آدمی ہیں۔ جو مناسب سمجھا وہ کر رہے ہیں۔ تم کیوں رنجیدہ ہوتی ہو۔ ان کو اس فانی دنیا سے خوش ہو لینے دو۔ ان کو

نسیم کی آواز ناگوار تھی، اب یہ آواز ان کے کان میں نہ آئے گی دنیا کی تمام بہاریں ان کے واسطے ہوں گی وہ آج نائب تحصیلدار ہیں کل تحصیلدار اور ڈپٹی کلکٹر ہوں گے مگر کلیجہ کے ٹکڑے نسیم کی ہڈیاں گل کر خاک ہو چکی ہوں گی، وہ باپ کی آواز کو ترستا اور صورت کو بھٹکتا، باپ کے گھر سے سدھارا۔ مگر وہ باپ کا عاشق تھا۔ وہاں بھی باپ کو نہ چھوڑے گا۔ اس وقت خود میاں قسیم کو معلوم ہوگا کہ میں نے کیا کیا۔ تم کو خدا دونوں وقت کھانا دے رہا ہے عزت سے ایک کونے میں بیٹھی ہو۔ پہننے کو کپڑے، پکانے کو ماما تمہارے پاس موجود ہے، شوہر کا شکریہ ادا کرو، اور دعا کرو کہ خدا ان کو نیک توفیق دے۔ بہت سی اللہ کی بندیاں تم سے بدتر حالت میں ہیں، ان پر نظر ڈالو اور خدا کا شکر کرو۔ ماں باپوں کی بیٹیاں بڑے بڑے دکھڑے بھگتی ہیں۔ باپ دادا کی شان آج تم میں ہے۔ ان کا خون تمہاری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ نسیمہ بیگم وہ کام نہ کرنا کہ کل باپ دادا سے شرمسار ہو وہ مر گئے مگر ان کا نام باقی ہے۔ انکی عزت تمہارے ہاتھ اور ان کی شرافت تمہارے ساتھ ہے۔ بیٹی مصیبت کو جھیلو، سختیوں کو استقلال سے اور تکلیفوں کو ہمت سے اٹھاؤ اور میری یہ بات لکھ رکھو، میاں قسیم کے نئے دوست ساون کی چڑیاں ہیں۔ چند روز میں اڑ جائیں گے، وہی گھر ہوگا اور وہی تم ہو گی، ایسا نہ ہو اس وقت کا پچھتاوا اور ان دنوں کا کوئی افسوس تمہارے پاس باقی رہ جائے، یہی آزمائش کا وقت ہے

پہلے سے زیادہ خدمت کیا کرو، اور بتادو کہ شریفوں کی بیبیاں مصیبت
میں کندن اور تکلیف میں پارے کی طرح چمکتی ہیں، یہ دن ہمیشہ رہنے
والے نہیں، خود زمانہ میاں قسیم کی آنکھیں کھولیگا، وہ اپنے کئے
پر روئیں گے، ان کا دل شرمندہ، ان کی نگاہ نیچی، اُن کی آنکھیں
نم اور ان کا ضمیر پریشان ہوگا، مگر ضرورت ہے کہ اس وقت تمہارا
دل بشاش، تمہاری نگاہ اونچی اور تمہاری آنکھیں خیرہ ہوں
دنیوی فیصلہ کا وقت وہی ہوگا، اور صرف تم دونوں کے
دل اس وقت منصف ہوں گے۔ نسیمہ بیگم ایسا نہ ہو کہ میاں
کے سامنے تمہاری نگاہ نیچی ہوجائے۔

قسیم میاں کو میری طرف سے دعا کہنا

دعاگو

تمہاری پھوپی

(۱۸)

ڈاک قسیم کے ہاتھ میں آتے ہی اس نے پھوپھی کا خط پڑھا۔ خط کیا گزری ہوئی
داستان کا پورا بیان اور آئندہ کی سچی پیشین گوئی تھی، ہر حرف کلیجہ میں گڑا اور دل میں
کھپا، اپنی بھونڈی اور بھدی تصویر الگ دکھائی دی۔ اس پر پھوپھی کی شفقت
اور یہ گرانمایہ نصیحت کچھ ایسا جادو تھا کہ چیخیں مار کر رونے لگا۔ غور کیا تو معلوم
ہوا کہ مجھ سے زیادہ ظالم مجھ سے بڑھ کر دغاباز کون ہوگا، جس نے ایسی بیوی کو خون کے
آنسو رلوا دیئے۔ پھوپھی نے جس وقت کی طرف اشارہ کیا تھا وہ فوراً ہی آنکھ کے
سامنے آگیا۔ بیتاب ہو کر خط لئے ہوئے اندر گیا، دیکھا تو بیوی کچہری کے لئے
انڈے تل رہی تھی۔ یہ اور بھی زبردست چرکا تھا، صورت نظر پڑتے ہی پچھلی تمام

باتیں یاد آگئیں اور ساتھ ہی خیال آیا کہ اس سختی پر بھی بیوی نے کبھی آدھی بات
زبان سے نہ نکالی۔ نسیمہ نے آکر انڈے اور روغنی روٹی باندھی، پان بنا کر
میاں کے سامنے رکھا، دل امنڈ رہا تھا دیوانہ وار اس کے پاؤں پر گرا، اور کہا۔

بیگم! میرا قصور معاف کر دو

شوہر کے اس طرح دفعتہً خلاف عادت پاؤں پر گرنے سے نسیمہ سہم گئی۔
پہلے تو وہ کچھ سمجھی ہی نہیں مگر اس کو روتا دیکھکر ضبط نہ ہو سکا، اپنی آنکھ سے بھی
آنسو جاری ہوگئے، سر اٹھا کر ہاتھ میں لیا، اور اس کے قدموں کو ہاتھ لگا کر کہا۔

یہ کام تو میرا ہے تمہارا نہیں

تم آقا میں لونڈی، تم حاکم میں محکوم، تم سرتاج ہو میں چیری ہوں۔ تم
مالک ہو میں باندی ہوں، مجھ کو گنہگار نہ کرو سچ کہتی ہوں میں ابتک پوری
طرح نہ سمجھی کہ کیا معاملہ ہے، لیکن تم نے میرے پاؤں پر سر رکھکر میری زندگی پر ایک
بدنما دھبہ لگا دیا، خدا شاہد ہے میں بیخبر تھی، ورنہ میں اس سر پر قربان ہونیوالی
ہوں۔ خدا اس سر کو ہمیشہ بلند رکھے، اس سر سے میری عزت اور اس زندگی سے
میری وقعت ہے۔ تمہارے در پر میری پالکی آئی ہے، اور کھٹولی جائے گی جیوں تو
تمہاری اطاعت میں اور مروں تو تمہاری خدمت میں، آرزو ہے کہ تمہارے
ساتھ عزت آبرو سے زندگی بسر ہو، اور ارمان ہے کہ تمہارے ہاتھ سے پیوند زمین
ہوں، باپ دادا کا سایہ میرے سر سے اٹھ چکا، بھائی کوئی موجود نہیں، پیچھے
وارث اور حقیقی مالک تم ہو، زندہ لائے ہو، مردہ بھیجنا، میری زندگی کی آرزو
میرے دل کا ارمان اگر ہے تو اتنا کہ بڑوں کی لاج، اور بڑوں کی آن میں فرق نہ آئے
جس ہاتھ سے پکڑا اسی ہاتھ سے سپرد خاک کر دینا۔ اللہ بس باقی ہوس۔
قسیم کی آنکھ بیوی کے سامنے ہوتی نہ تھی، وہ سرنگوں تھا، بیوی کی تقریر

سے ہچکی بندھ گئی، اس کا ہاتھ آنکھوں سے لگایا اور کہا:۔

تم شریف ہو میں ذلیل، تم بیگم ہو میں نوکر، تم انسان ہو میں پتھر، میں تم سے اور تمہارے معصوم لال سے شرمندہ ہوں، میں نے تمہاری قدر نہ کی۔ مگر تم نے اس پردیس میں وہ جوہر دکھایا جس کی چمک قیامت تک مٹنے والی نہیں، آنیوالی روحیں تمہاری زندگی پر فخر کریں گی اور آنیوالی نسلیں تمہارا نام سر آنکھوں پر رکھیں گی۔ تم انسان کی صورت میں فرشتہ اور نسیمہ کی صورت میں حور ہو، تم نے میرے ظلم سہے اور اُف نہ کی، مصیبتیں جھیلیں اور آہ نہ آئی، میں گنہگار ہوں شرمسار ہوں، منہ نہیں کہ معذرت کرسکوں اور آنکھ نہیں کہ رو سکوں، نسیمہ بیگم، بیویاں تم سے سیکھیں گی، بیٹیاں تمہارا نمونہ بنیں گی، تم آخرت میں بامراد ہوگی، زندگی تمہارے واسطے چمن اور موت تمہارے واسطے دلہن ہوگی، مگر آہ میں بدنصیب دونو جہان سے گیا۔ بیگم میرا ایمان مجھ پر ملامت کر رہا ہے، میرا دل مجھ پر لعنت بھیج رہا ہے نسیمہ بیگم اپنے کرم سے اپنے رحم سے اپنا صدقہ اپنے باپ کی روح کا صدقہ، میرا قصور معاف کر۔ لاکھ قسیم کے مظالم کی تصویر نسیمہ کے سامنے تھی، مگر اس کی تقریر سے پتھر بھی موم ہو جاتا، ضبط نہ کرسکی، اس کے قدموں کی طرف جھکی اور کہا

"اچھا"

اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، اور آسمان کی طرف دونو میاں بیوی ہاتھ اٹھا کر کھڑے ہوئے، اس وقت نسیمہ نے اپنے آنسوؤں کو روکا، اور کہا۔

مصیبتوں میں کام آنے والے معین، بیکسوں کو مدد دینے والے مددگار۔ ہم دونو شرمسار گنہگار بندے تیرے حضور میں حاضر ہوئے ہیں ہماری زندگی گناہوں سے بھری اور غلطیوں سے لتھڑی تیرے سامنے ہے، سچے دل سے اور اچھی نیت سے ہم توبہ کرتے ہیں، قبول کر اور توفیق دے تاکہ دم واپسیں اپنے قول

پر ثابت قدم رہیں۔

(۱۹)

قسیم کا دل اس وقت بیوی کی صفائی سے کچھ ٹھہر گیا، اور بات بھی گئی گذری ہوئی مگر یہ دھڑکا کچھ ایسی بُری طرح اس کے دل پر بیٹھا کہ وہ دم بھر کو بھی اس سے غافل نہ ہوتا، سوتا ہے تو خواب اور جاگتا ہے تو خیال۔ کچہری کے سوا باہر کا آنا جانا۔ اس نے قطعاً موقوف کر دیا۔ وہ خود جس وقت اپنی پچھلی حالت پر غور کرتا تو کانپ جاتا، کچہری میں جی لگتا نہ گھر میں، قبرستان جاتا، بچہ کی قبر پر روتا، اور کہتا مجھ سے زیادہ ظالم باپ کون ہوگا، جسکا لال میرے ظلم کا شکار اس جنگل کو آباد کر رہا ہے زندہ ہوتا تلافی کرتا، معافی مانگتا، مگر اب کیا کروں، بیوی کو دیکھتا کہ اس کی آنکھ میں میل ہے نہ تیوری پر بل، ہر وقت خدمت میں مصروف اور اطاعت میں سرگرم۔ قسیم کی حالت دیکھ کر نسیمہ ہر چند اس کو سمجھاتی، اور قسیم سے کہتی مگر اس کو کسی طرح تسکین نہ ہوتی، کچہری کا کام خراب ہونے لگا، اور غذا برائے نام رہ گئی۔ قسیم کی یہ کیفیت دیکھ کر نسیمہ کو دوسرا کھٹکا پیدا ہوا۔ تین مہینہ کی چھٹی لوا گھر لائی۔ انگریزی اور یونانی سب ہی قسم کے علاج کرائے، مگر قسیم کی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی۔ چند روز میں اٹھنا بیٹھنا ختم ہو گیا۔ ہر وقت پلنگ پر پڑا رہتا۔ زندگی کے پچھلے کارنامے پیش نظر ہوتے اور حسرت و یاس کی تصویر بنکر رہ جاتا

نسیمہ ان بیویوں میں سے نہ تھی کہ قسیم کے دکھ یاد رکھتی، اور سکھ بھول جاتی۔ وہ خوب اچھی طرح سمجھتی تھی کہ اگر خدانخواستہ یہ مر گیا تو پوری ہستی پلید ہو گی۔ اسکا ظلم دوسرے کے رحم سے اچھا، اس کی نفرت اور کی محبت سے اس نے جی کھول کر شوہر کی خدمت کی تمام رات اس کی پٹی پکڑے بیٹھی رہتی ماما میں چھوکریاں بیبیاں سب موجود تھیں مگر اس کو کسی پر اعتبار نہ تھا۔ اپنے

ہاتھ سے دوا پیتی، اپنے سامنے پلاتی، مگر خرابی یہ تھی، کہ کوئی خاص مرض نہ تھا ایک ندامت تھی جس نے قسیم کی جان پر بنا دی۔ اس میں نسیمہ نے خدمت کا وہ حق ادا کیا کہ قسیم اس کا کلمہ پڑھنے لگا۔ ایک روز آدھی رات کے وقت سب پڑے سوتے تھے، نسیمہ بیٹھی جاگ رہی تھی، کہ قسیم نے پانی مانگا، پلا چکی، تو قسیم نے وہی اپنی معذرت شروع کی، کچھ دیر تک نسیمہ چپکی بیٹھی سنتی رہی، اور پھر کہا۔

"میں تجھ سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں اور اب پھر کہتی ہوں، میری زندگی کی تمام بہاریں تمہارے دم سے ہیں، جب خدانخواستہ تم نہ ہوئے، تو میرا جینا بے کار اور رہنا فضول، تم اپنی جان کو گھلا کر مجھکو زندہ درگور کر رہے ہو۔ موت اس وقت سے بہتر جب مجھکو خدا یہ وقت دکھائے۔ میں کچھ نہیں کہتی مگر تم اپنے ساتھ میری زندگی کا خاتمہ کر رہے ہو۔ یہ دنیا جو آج تمہارے دم سے میرے واسطے جنت ہے خدانخواستہ تمہارے بعد میرے لیے مصیبت ہوگی۔ ابھی تم نے دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے۔ ہماری زندگی ابھی ایک کونپل ہے۔ جس میں بہت سے پھل پھول آنے ہیں، تم اس لہلہاتے ہوئے پودے کو کیوں پامال کرتے ہو، انسان سے غلطی ہوتی ہے۔ وہ خطا و نسیان کا پتلا ہے، اس خیال کو دل سے نکال لو، اور مجھ پر رحم کرو، تم پہلے میں میرے کرم کے ملتجی تھے آج میں تمہاری محبت کی خواستگار رہوں۔"

نسیمہ کی یہ درخواست قسیم کے دل کو لگ گئی۔ ندامت کا اثر قدرتی طور پر بھی اس کے دل سے کم ہوتا چلا تھا۔ بیوی کی التجا نے مرہم کا کام کیا اور چند روز بعد قسیم اچھی طرح چلنے پھرنے لگا۔

(۲۰)

شوہر کی طرف سے اطمینان ہونے کے بعد نسیمہ کو ایک ہی خاص فکر نہ تھا، بچہ کا صدمہ بھی زائل ہو چکا تھا، ہاں یہ خیال اکثر اس کے دل میں کھٹکتا کہ وہ بیوی کی خدمت

بڑھاپے میں جتنی چاہتی تھی نہ کر سکتی تھی، اس میں شک نہیں کہ اگر وہ دس پانچ روز کیا چار پانچ مہینے بھی متواتر وہاں جا کر رہتی تو قسیم اتنا دب گیا تھا کہ خواہ تکلیف ہوتی یا ناخوش ہوتا، زبان سے اف نہ کرتا، لیکن نسیمہ تو وہ بیوی تھی جس نے تمام عمر شوہر کو شکایت کا موقع ہی نہ دیا، دل ضرور تڑپتا، طبیعت بیشک بے چین ہوتی، مگر صبر کرتی، اور ضبط کرتی جانتی تھی کہ میرے باہر قدم دھرتے ہی سارا گھر چوپٹ ہو جائیگا۔ نندیں گو موجود، مگر پھر لڑکیاں ہیں۔ بھائی کو پورا آرام ہرگز نہ پہنچا سکیں گی۔ آٹھویں دسویں جاتی، صبح گئی دن بھر ہی شام کو آ گئی۔ یہاں بھی کوئی خاص کام اس کے سپرد نہ تھا۔ مگر سب سے زیادہ تو دونوں نندوں کی حفاظت ہی ایک ایسی ذمہ داری تھی۔ جس نے اس کو قید کر کے بٹھا دیا۔ دن بھر کو بھی جاتی تو میاں کو گھر میں بٹھا کر، ساس کی وصیت کے علاوہ خود بھی ان بچیوں سے کچھ ایسی محبت کرتی تھی، کہ شاید ماں بھی ہوتی تو اتنی ہی کرتی، بڑی ربیعہ اب سولہویں برس میں تھی، مگر ہندوستان کے موجودہ تمدن نے جو لڑکیوں کی بے قدری کی ہے، اس سے یہ گھر بھی نہ بچا۔ دن ہوا ہوئے جاتے تھے اور کوئی جھوٹ موٹ آ کر یہ بھی نہ پوچھتا تھا کہ اس گھر میں کوئی لڑکی ہے، امیر گھر کی بیٹی، کھائی، پی، اطمینان کی روٹی، بے فکری کی نیند فیل کا فیل بنی ہوئی تھی۔ قسیم کو تو پرواہ بھی نہ تھی مگر نسیمہ کا کلیجہ دیکھ دیکھ کر خون خشک ہوتا تھا۔ چاروں طرف تلا توپ ڈالی، مشاطہ اور بیچ والیاں سب ہی سے کہا اور سنا مگر سال پورا گزر گیا اور ایک بات ڈھنگ کی نہ جڑی۔ خدا خدا کر کے اٹھارویں برس بچی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ اور ایک پیغام آیا۔ خدا کی شان ہے جس لڑکی کے ساتھ دس ہزار کی جائداد اور دریا پار کا اونچا موضع، اور ایک کے بدلے چار چار زیور ہوں۔ اس کے خواستگار ایسے صاحبزادے ہوئے۔

عمر کے ادھیڑ، صورت کے حبشی، مزاج کے خاصے، سو روپے کے نوکر، تین بچوں کے

باپ۔ لنگڑے۔ رنڈوے۔ پردیسی۔

نسیمہ تو گھبرا گئی تھی۔ مگر پھوپی نے کہا بیٹی کب تک بٹھاؤ گی۔ جوانی ڈھل رہی ہے پھر کوئی اتنا بھی نصیب نہ ہوگا۔ جس گھر میں دیکھو کوارکوٹ چڑھے ہوئے ہیں بیٹیاں کیا ہیں چیونٹیوں کی فوج ہیں، بر ملتا نہیں بسم اللہ کرو۔

مجبور نسیمہ بھی راضی ہو گئی، قسیم بھی ایک ہفتہ کی چھٹی لیکر بہن کو وداع کرنے آگیا! اس شادی کے ہم کو صرف اس حصہ سے بحث ہے، جو نسیمہ سے متعلق ہے وداع سے ایک دن قبل اس نے نند کو اپنے پاس بٹھایا اور کہا۔

رابعہ بیگم! میں تم کو اس کام کے واسطے جواب قدرت تم سے لینا چاہتی ہوں مدتیں ہوئیں کہ تیار کر چکی ہوں، مگر اب اس کام کی ایک شاخ ایسی نکلی ہے جس کے متعلق میں تم سے آج تک گفتگو نہ کر سکی، بیٹی شادی میری ہو چکی اور تمہاری ہونے کو ہے میں ماں بن چکی اور تم بنو گی۔ نہیں تم بیوی ہونے کے ساتھ ماں بھی ہو گی تمہارے تین بچے موجود ہیں، اور دنیا ایک اہم ذمہ داری کا کام تمہارے سپرد کر رہی ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ تم آئندہ چلکر اسے تکلیف سمجھو، اور یہ یقین کر لو کہ بھاوج نے یہ جان کر کہ سوت اچھی اور سوت کے لیدڑے برے، مجھ کو کنوئیں میں دھکیل دیا۔ لیکن نہیں میں ایمان سے کہتی ہوں، تم مجھے پیٹ کی بیٹی سے زیادہ ہو۔ مگر کیا کروں یقین کرنا راتوں اسی جھگڑے میں رہی ہوں اور سوچی ہوں کہ کسی طرح تم کو دلہن بناؤں، میں کیا کروں تمہارا سنجوگ یہی تھا اور یہ اللہ تو کہا تمہارا نہیں ہے ماں باپوں کی بیٹیاں سوکنوں اور ان کے بچوں کو بھر رہی ہیں۔ اور سینکڑوں اللہ کی بندیاں ایسی نکلیں گی جنہوں نے اس کٹھن رستے کو گوارا کر لیا، تم اگر ایمانداری سے کام کرو گی اور سمجھو گی کہ بے ماں کے بچے تمہارے اپنے بچے ہیں، تو دونو جہان کی خوبیاں تمہارے واسطے موجود ہیں معصوم بچے بے قصور رہ جاتے ہیں۔ نکاح کا ذمہ دارانہ کام یہ ہے

ہے وہ نہیں۔ پھر ان سے نفرت کرنی غلطی اور بیہودگی ہے، خدا نے ان سے ایک ماں چھین کر دوسری اس لیئے دی ہے کہ وہ پہلی ماں کو بھلائے۔ ان کو چھاتی سے لگائے اور شفقت سے سلائے مگر بہت سی کم بخت لڑکیاں اس جلاپے میں پڑ کر دین اور دنیا دونو برباد کر لیتی ہیں، دور کیوں جاؤ اپنی پھوپی زاد بہن ہی کو یاد کرو تم نے ان کو دیکھا تو ضرور ہو گا۔ آپا نصیرہ کو مرے مشکل سے آٹھ برس ہوئے ہونگے ان کو بھی ایسے گھر جانا پڑا جہاں ایک بچہ ساجد موجود تھا۔ تین برس کا سمجھتا بھی نہ ہو گا کہ موت اور شادی کیا بلا۔ باپ بچے کا عاشق زار تھا، چار سو روپے کی تنخواہ ہزار بارہ سو روپیہ کا کرایہ۔ روپے کی کیا کمی تھی، ذرا بچہ کا بنڈا پھیکا ہوا اور اس نے جھٹ سے چار بکرے کر دیئے، میری آنکھوں دیکھی بات ہے کہ ماں کے مرنے سے کوئی دو مہینے پہلے تو تلی چچی آئیں۔ بچہ کو گود میں اٹھا لیا اور اس کی ماں ذاکرہ بیگم کو ہزاروں دعائیں دیں۔ بیچاری غریب آدمی تھیں کنبہ ہی سے کچھ سلوک ہو جاتا۔ اس میں گزر کرتیں۔ ذاکرہ نے بچہ کو اٹھنی دی کہ جاکر تو تلی چچی کو دیدو، وہ بچہ لیکر گیا۔ چچی نے کہا چندا ضرورت زیادہ ہے۔ روپیہ دے، بچہ اٹھنی پھیر لایا اور ماں سے کہا روپیہ دو۔ ذاکرہ کہنے ہی کو بیگم نہ تھی۔ سچ مچ کی بیگم تھی۔ ایک روپیہ کی جگہ سو روپے بچے پر سے قربان کرنے اس کو مشکل نہ تھے۔ دل کی بھی ایسی تھی کہ روپے کی جگہ ہمیشہ دس اٹھائے، مگر وقت کی بات ہے اس وقت اڑ گئی اور کہا نہیں بس اٹھنی دیدے۔ بچہ بھی آخر کس ماں کا تھا۔ لاڈلا بچہ امیر کا بچہ لگا ایڑیاں رگڑنے اور ٹھنکیاں کھانے کہ ہائے روپیہ لوں گا، ذاکرہ نے بھی قسم کھالی کہ دیکھوں تو سہی تو ہے کس کا بچہ روپیہ تو لے۔ اتنے میں باپ کچہری سے آگیا۔ کپڑے بھی تو نہ اتارے اسی لتھڑے پتھڑے بچے کو گود میں اٹھا لیا اور چمکار کر کہا میرا چاند ایک روپیہ کیسا۔ مجھ سے لے، دو دوں، چار دوں

دس دوں۔ ذاکرہ بھی ضد ن تھی۔ قسم کھا کر کہا، اگر تم نے اس کو روپیہ دیا، تو مجھ سے زیادہ برا کوئی نہ ہوگا۔ ہم سب بیٹھے ہنس رہے تھے کہ بچہ کی ضد۔ ماں کی قسم۔ فیصلہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ بہتیرا ہی ڈپٹی صاحب نے اس کو پیار کیا، مگر وہ کیا قابو میں آنیوالا تھا، میاں نے بیوی سے کہا تم نے سچ مچ روپیہ کی قسم کھائی ہے

بیوی ہاں میں نے قسم کھالی ہے۔ اس وقت نہیں دونگی۔ پھر چاہے دو دیدینا۔

ڈپٹی صاحب نے ماما سے کہا، میرا صندوقچہ لا۔

بیوی اچھا تم روپیہ دے کر دیکھ لو۔ خدا کی قسم جو میں اس کو اپنے ساتھ سلاؤں میری قسم کوئی چیز ہی نہ ہوئی۔

میاں۔ تم دیکھو تو سہی تمہاری قسم ٹوٹے جب ہی خفا ہونا۔

بیوی ہاں اچھی بات ہے۔

ڈپٹی صاحب نے صندوقچہ کھولا۔ اشرفیوں کی تہ بچھی ہوئی تھی، بچہ سے کہا لو، ایک لیجا کر دیدو۔ بچہ نے اشرفی اُٹھائی اور جا کر دیدی۔ بچی نے ہزاروں دعائیں دیں ادھر باپ ہنسا۔ ادھر ماں کو بھی ہنسی آگئی۔ تو بیوی ایسا اللہ آمین کا بچہ جب ماں مرگئی ہے تو ڈپٹی صاحب نے سگی سالی نصیرہ بیگم سے نکاح کیا اور یہ سمجھکر کہ حقیقی خالہ ہے اس سے اچھی پرورش بھانجے کی کون کرے گا۔ میکہ بھی نصیرہ کا کچھ ایسا کہاتا پیتا نہ تھا، باپ تو تھے ہی نہیں ایک اماں موجود تھیں یا دو چھوٹے چھوٹے بھائی مگر خدا ان مٹی کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ جب تک جی ایسا میکہ کا بھرتا بھرا کہ واہ واہ۔ ہی نصیرہ کو کوارپتہ میں اتنا دیا ہے کہ باپ بھی ہوتا تو ایسا عیش نہ کرواتا۔ کھانے میں کھانا کپڑے میں کپڑا، چیز میں چیز۔ بست میں بست اس مرنے والی کے حلق سے بغیر اس بہن کے کوئی چیز ہی نہیں اترتی تھی۔ ہم تو دونو وقت ہی دیکھتے تھے کہ بھرے ہوئے خوان چلے آ رہے ہیں۔ الغاروں کپڑا موں

اناج، سیروں گھی، ریشمی تھان تاب چکن کے دوپٹے، کورے کے کورے بٹے اور مصالحہ جو ہے وہ بہن کو۔ ذاکرہ کی زندگی تک تو بی نصیرہ کا یہ حال رہا کہ بھانجے کی پروا نہ تھیں۔ ایک دن وہ نہ آتا، تو دیوانوں کی طرح پھرتیں۔ مگر نکاح کا ہونا تھا کہ بھانجہ زہر معلوم ہونے لگا اور اپنے ہاں تو بچہ کیا ہونا تھا کہ ظالم اُس بدنصیب کی جانی دشمن ہوگئی، لاکھ باپ فریفتہ تھا مگر ہر وقت کا لگانا اور اکسانا ایسی نفرت ہوئی کہ بات بھی نہ پوچھتا، ہر وقت اس کا بچہ ماجد تھا اور بس مہینوں آنکھ اُٹھا کر بھی ساجد کو نہ دیکھتا، سچ یہ ہے کہ یہ کانٹا شروع ہی سے نصیرہ کے دل میں کھٹک رہا تھا اور اسی فکر میں تھی کہ کسی طرح اس کا خاتمہ کردوں۔ مگر موت نہ تو ڈپٹی صاحب کے ہاتھ میں تھی نہ نصیرہ کے۔ ہاں اتنا اس نے کردیا کہ اگر کبھی ساجد نظر بھی آجاتا تو باپ کی آنکھوں میں لے دیکھکر خون اُتر آتا۔ بن ماں کے بچوں کی ظالم سوتیلی ماؤں کے ہاتھوں جو گت بنتی ہے وہ ظاہر ہے۔ مگر ساجد بدنصیب کا ہدرا تو خالہ کی بدولت ایسا ہوا کہ خدا دشمن کے بچوں کا بھی ایسا نہ کرے ماجد کے پھٹے پرانے کپڑے۔ گھسی گھسائی جوتی، میلی کچیلی ٹوپی۔ بچا بچایا کھانا اس غریب کو ملتا اور دن بھر اس کے پیچھے غلاموں کی طرح چھوٹے میاں چھوٹے میاں کہتا پھرتا۔ اتنی مجال نہ تھی کہ نصیرہ کو خالہ کہہ سکتا۔ بیگم صاحب کہکر پکارتا۔ اور وہ سنگدل خوش ہوتی۔ ماجد کے نواڑی کھٹولے تین تین موجود تھے مگر وہ مصیبت زدہ ایک جھلنگے پر پڑ رہتا۔ اور رات بسر کردیتا۔ ماجد کے بعد سوتا اور پہلے اُٹھتا۔ اگر اسکی آنکھ نہ کھلتی، تو جاڑے کے دنوں میں شقی القلب خالہ ٹھنڈے پانی کا کٹورا اوپر سے ڈالدیتی عیدیں اور بقرعیدیں آتیں اور جاتیں شادیاں اور بیاہ رچتے اور گزرتے۔ لیکن بن ماں کے بچہ کو کوئی دو پیسہ کی ٹوپی لا کر دینے والا نہ تھا۔ سینکڑوں روپیہ کا سودا گھر میں آتا، مگر خالہ کے ڈر کے مارے

وہ آنکھ اُٹھاکر بھی نہ دیکھتا۔ میاں بیوی اور ماجد اندر کے دالان میں بیٹھتے اور ساجد باہر بیٹھتا۔ اپنی تقدیر کو روتا۔ خدا ایسے باپ کو دوزخ میں بھی چین نہ دے۔ چھ برس کا بچہ سالن کی پتیلی باورچی خانہ سے لاتا، اور وہ دیکھتا۔ ماجد بے گناہ و بے قصور اس کے تھپڑ لگاتا۔ بیوی مارتا اور باپ ہنستا۔ نصیرہ میاں کے سامنے محض اتنی سی بات پر کہ اس نے لوٹا بھرنے میں دیر کی چٹکیاں لیتی۔ طمانچے مارتی اور اس کو خیال نہ ہوتا۔ دو سال کے قریب ساجد کی زندگی اسی طرح گزری۔ اور ماجد کے ختنوں کی شادی ٹھیری۔ تیاریاں دھوم دھام سے ہوئیں۔ ڈہائی ہزار روپیہ کا کپڑا آیا۔ مگر ساجد بدنصیب کی تقدیر میں ایک پیسہ کا نہ تھا۔ اس کو اتنا بھی حکم نہ تھا کہ وہ کپڑا دیکھتے وقت وہاں کھڑا ہو جاتا۔ مگر بچہ تھا وہاں جا کھڑا ہوا۔ ماجد کے کپڑے دیکھ دیکھ کر ماں اور باپ دونوں باغ باغ ہو رہے تھے۔ اور ساجد ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ دو دفعہ نصیرہ نے اس کو گھورا کہ وہ چلا جائے۔ مگر کم بخت نہ سمجھ سکا۔ نصیرہ کو ناگوار تو بہت ہوا مگر اپنے ہاتھ سے سزا دینی مناسب نہ سمجھی۔ اور اس تاک میں رہی کہ باپ سے پٹواؤں۔ عین چھٹی کے روز جب تمام گھر میں جھاڑ فانوس لگے ہوئے تھے۔ ماجد نے کسی بات پر ماں سے بگڑ کر جھاڑ میں لکڑی ماردی۔ شیشہ کا جھاڑ چیز ہی کیا تھی چھن سے ٹوٹ گیا۔ ماں لے ہی کر اٹھی مگر وہ ہنستا ہوا بھاگ گیا۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بعد ڈپٹی صاحب نے آکر دیکھا کہ جھاڑ ٹوٹا پڑا ہوا ہے۔ ڈیڑھ سو روپیہ کا جھاڑ کچھ کم نہ تھا۔ بہت رنجیدہ ہوئے۔ بیوی سے پوچھا آج کیا مصیبت ٹوٹی۔

نصیرہ کیا بتاؤں۔ مجھ ہی سے ٹوٹا ہے۔

میاں۔ آخر بتاؤ تو سہی بتانے میں کیا ہرج ہے کیا تم بچہ ہو جو تم سے ٹوٹ گیا۔

نصیرہ۔ میرے سر کی قسم کھاؤ، کہ کچھ نہ کہوگے۔

میاں اچھا، تم بتاؤ تو سہی۔

نصیرہ۔ کیا بتاؤں۔ میں تو اسی واسطے تم سے کچھ کہتی نہیں کہ میرا نام بدنام نہ ہو پہلے ہی سے مجھکو کو بنا رکھا ہے۔ "ساجد نے لکڑی ماری" مارتا مجھکو تھا۔ اللہ کی قسم مجھے تو خبر بھی نہیں کہ روٹی کا دسترخوان کہاں رکھا ہے۔ وہ تو خیر میرے اُچٹتی ہوئی لگی تقدیر کا خون بہنا تھا بہہ گیا۔ مگر جھاڑ کی قضا آئی تھی وہ ٹوٹ گیا، جھاڑ تو خیر ٹوٹا ہی تھا ساجد کی یہ ہمت کہ چہیتی بیوی پر لکڑی اُٹھائے۔ مارے اور خون بہائے۔ غصہ میں دیوانے ہوگئے۔ ڈپٹی صاحب اُٹھے تو مکار خالہ نے ہزاروں قسمیں اپنے سر کی دیں۔ جانتی تھی کہ داؤں پورا ہوگیا۔ اب کیا کسر رہی وہی ہوا۔ اُٹھے۔ انگنائی میں ساجد بیخبر بیٹھا اپنے پھٹے ہوئے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ بے دردی سے بازو پکڑ کر لائے مارا جتنا مار سکتے تھے۔ اور شہر سے باہر لاکر چھوڑ گئے۔

رات بدنصیب بچہ کو آغوش میں لینے کے لیے اس کے سر پر آئی۔ تارے اس کی بدنصیبی پر روئے، چاند نے اس کی حالت زار پر آنسو گرائے، ہوا نے شفقت بھرے منہ سے اس کا منہ چوما، اور چاندنی بن ماں کے بچہ پر محبت کا ہاتھ پھیرتی رہی ساجد مصیبت کا مارا چاروں طرف دیکھتا تھا۔ مگر آدمی کی آواز تھی نہ سانس کی۔ معصوم روح کانپی اور ننھا سا دل لرزا۔ آگے بڑھا اور ٹھٹکا۔ جس طرف جاتا تھا بیکسی اس کے ساتھ تھی۔ ننھا سا دل ڈر کے مارے کانپ رہا تھا۔ قدرت کی تمام کائنات سنگدل انسان اور جفاکار نصیرہ پر ملامت کرتی ہوئی خاموش ہوگئی۔ چاند چھپ گیا تارے ماند ہوئے اور ہوا ساکت رہ گئی، آسمان نے کروٹ بدلی۔ بادل معصوم کی بیگناہی پر رونے لگے اور آدھی رات کے سنسان وقت میں جب زور شور کی بارش ہو رہی تھی اور بن ماں کا چھ برس کا معصوم بچہ جنگل بیابان میں تن تنہا بیٹھا ڈر کے مارے کانپ رہا تھا ایک سانپ نے اس کی زندگی کا خاتمہ کیا۔

یہ وہ وقت تھا، جب نصیرہ بیگم کا گھر مہمانوں سے کھچاکھچ بھر رہا تھا۔ میراثنیں لہک لہک کر گا رہی تھیں۔ نصیرہ دن بھر کی تھکی ہاری دو دن کی جاگی اس خیال

ہے کہ ذرا کمر سیدھی کروں اپنے پلنگ پر جا کر لیٹی۔ بیٹھتے ہی سامنے کی دیوار پر ایک روشنی میں ایک انسانی صورت دیکھی۔ گھبرا کر اُٹھی۔ ڈری اور پوچھا۔ کون۔

روشنی۔ میں تیری حقیقی بہن ذاکرہ بدنصیب کی روح ہوں اور مظلوم و معصوم ساجد کی ماں۔ تجھکو یہ عیش کی گھڑیاں مبارک۔ تیرے لال کے کپڑے بنیں تیرا سہاگ ہمیشہ ہمیشہ قائم رہے تو دودوں نہائے پوتوں پھلے۔ مگر نصیرہ میری محبت اور خدمت اس کی مستحق نہ تھی جو تو نے میرے لال کے ساتھ کیا، تو بیگم ہے اس گھر کی مالک ہے مجھے تجھ سے کچھ کہنے کا حق نہیں۔ میں اپنی زندگی پوری، اور اپنی دنیا طے کر چکی۔ میرا نمونہ تیرے سامنے ہے۔ میں ہمیشہ مظلوموں سے ڈری۔ معصوموں سے جھکی۔ یتیموں سے ملی رانڈوں سے جلی۔ غرض میری زندگی کا مقصد صرف بندگان خدا کی خدمت اور حاجتمندوں کی اعانت رہا۔ پھر بھی میں سدا خوف خدا سے کانپی، اور موت سے لرزی۔ میرے پاس مغفرت کا کوئی سامان نہ تھا، دوزخ کے شرارے اور آگ کی لپٹیں مجھے جلنے کو طیار رہتے، قبر اپنا ہولناک منہ کھولے مجھے نگلنے کو موجود تھی، تم سب عزیزوں نے مجھے نہلا دھلا کر رخصت کیا، اور میری تمام محبت ختم کر دی مردوں نے مجھے سپرد زمین کیا اور اپنا منہ موڑا۔ بڑا نازک وقت تھا۔ میں تھی اور عمر گزشتہ کے ہر فعل کی جوابدہی ہر عمل کی بازپرس۔ ہر کام کی ذمہ داری، ہر قول کی جانچ پڑتال۔ نمازیں کہاں وہ کی تھیں اکارت گئیں۔ روزے زبردستی کے تھے بیکار نکلے ہاں اس اڑے وقت میں جب کوئی یار و مددگار نہ تھا، کچھ یتیم لڑکے کچھ معصوم بچے تھوڑی سی رانڈیں چند مظلوم بعض محتاج جن کو آج دنیا حقارت سے دیکھتی۔ اور نفرت سے رکھتی ہے میری مدد کو دوڑے۔ یہ پاک روحیں عالم بالا میں راج کر رہی تھیں، ملک عدم میں ان کا سکہ چل رہا تھا اور اس جہان کی بادشاہی اُن کے قبضہ میں تھی، یہاں یہ میرے دست نگر تھے، وہاں میں اُنکی محتاج، قادر ذوالجلال کی پاک ذات ان میں شامل

تھی، انہوں نے میرے سلوک کا معاوضہ اور میرے رحم کا بدلہ دیا، دوزخ اُن کے اثر سے خاک اور شعلے اُن کے اشارے سے ٹھنڈے ہوئے، قبر میرے واسطے گلزار بنی، اور میری گنہگار روح جنت الفردوس میں جا پہنچی۔ آج مجھے حکم ہوا تھا کہ میں اس نابکار دنیا کی کیفیت دیکھوں، اور اپنے پیارے ساجد کی روح کے استقبال کو آؤں، میں نے جو کیفیت دیکھی بیان نہیں کر سکتی، آج تیرے بچے کی شادی ہے اور تو بیگم بنی بیٹھی ہے، نوکر تیری ہوں پر حاضر، مامائیں تیرے اشارے پر موجود۔ اور شوہر تیرے ارشاد پر طیار ہے۔ لیکن بے وقوف بیگم خدا کی ایک مخلوق۔ ایک بھولا بھالا بچہ بن ماں کا لال بے وارث معصوم، اور تجھ جیسی با اختیار عورت کا مظلوم تیرے جلتے باپ کے ہاتھوں جنگل بیابان میں دم توڑ چکا، کیوں بیگم حقیقی باپ اور سگی خالہ یوں عیش کرے اور ساجد آدھی رات کے وقت سنسان جنگل میں اس قیامت خیز بارش میں اکیلا پڑا ہوا دنیا کو الوداع کہے، تیرا بچہ اکیلا دالان سے باہر نہ نکلے اور میرا بچہ تیرے ہاتھوں زندگی کی آخری رات اس طرح بسر کرے۔ تیرے دولہا کے واسطے یہ سینکڑوں آدمی موجود ہوں، اور ساجد کے مردے پر کوئی دو آنسو گرانے والا بھی نہ ہو۔ دیکھ یہ میرے ہاتھ میں تیرا اعمالنامہ ہے، جہاں مظالم کے سوا ایک بھی نیکی نہیں ادھر دیکھ یہ موت تیرے واسطے منہ چیرے کھڑی ہے

...... نصیرہ بیگم جو ہونا تھا ہو گیا، ساجد کی روح جنت میں جا پہنچی اب تیرا اس کا فیصلہ حاکم حقیقی کے سپرد ہے۔ ....

...... اور وہ وقت دور نہیں، جب دنیا تجھ جیسی ناشاد نامراد ظالم و مکار عورت کو اپنے سے جدا کر دے اور تو اس کا نتیجہ بھگتے۔ دیکھ یہ کیا ہے۔

نصیرہ بہن کی اس تقریر سے تھر تھر کانپ رہی تھی، گھگی بندھ گئی، آواز نکلتی نہ تھی، ہاتھ پاؤں جنبش نہ کرتے تھے، البتہ آنکھیں اپنا کام کر رہی تھیں

اب جو بہن کے کہنے سے نصیرہ اُدہر دیکھتی ہے تو ایک خطرناک دیو جس کی پیشانی پر موت لکھا ہوا تھا، منہ کھولے کھڑا تھا، ایک چیخ ماری اور بیہوش ہو گئی۔ سہارا گھر دوڑ پڑا ہشیار ہوئی تو کچھ نہ تھا، نہ وہ روح تھی نہ اس کی تقریر، نہ دیو تھا نہ اس کی تصویر۔

تو بیٹی رابعہ اس واقعہ سے میرا مطلب یہ ہے کہ بن ماں کے بچوں کو اپنے بچوں سے زیادہ سمجھنا اور یاد رکھنا کہ ان کی آہ عرش کا کنگورہ ہلا دیتی ہے۔

(۲۱)

رابعہ کو وداع کرنے کے بعد نسیمہ ہاجرہ کی تربیت پر متوجہ ہوئی ایک دن آسمان برابر گھرا ہوا تھا، ہلکی ہلکی بوندیاں پڑ رہی تھیں کہ ہاجرہ نے بھاوج سے کہا، بھابی جان آج تو کڑھائی کا دن ہے، سہال تلوائیے۔

نسیمہ۔ اچھا ایک شرط پر، تم بتاؤ کہ مینہ کیونکر برستا ہے۔ بادل، پانی، بجلی، کڑک، چمک کیا چیز ہیں، تو میں ابھی کڑھائی کا سامان کر دیتی ہوں۔

ہاجرہ مجھے تو بھابی جان معلوم نہیں نہ آپنے کبھی بتایا، میں تو اتنا جانتی ہوں کہ بادلوں سے مینہ برستا ہے، ان ہی میں سے بجلی گرتی ہے، آپ ایک دفعہ سمجھا دیجئے پھر میں یاد رکھوں گی۔

نسیمہ واہ بی ہاجرہ یہ بھی نہیں معلوم، اچھا پہلے جو بتاؤں اسکو سمجھکر سمجھا دو پھر کڑھائی شروع کرو۔

ہاجرہ فرمائیے۔

نسیمہ۔ اچھا یہ تم جانتی ہو کہ پانی میں سے بھاپ نکلتی ہے کبھی چولھے پر پتیلی میں سے نکلتی دیکھی ہو گی، وہ کیوں نکلتی ہے، گرمی کی وجہ سے، تو یہ بھاپ تمام سمندروں میں سے بلکہ ہر گیلی چیز سے گرمی پہنچکر نکلتی ہے سب سے زیادہ سمندروں میں سے نکلتی ہے کیونکہ دنیا میں پانی سب سے زیادہ ہے، غرض سمندروں دریاؤں اور گیلی چیزوں سے بھاپ نکلکر اوپر گئی، یہ بھاپ دیکھتی ہو کتنی ہلکی ہوتی ہے، ہلکے ہونے کی وجہ سے ہوا اوپر لے جاتی ہے، اس بھاپ کا نام بادل ہے جو آفتاب کے عکس سے ہم کو رنگ برنگ دکھائی دیتے ہیں۔ اب یہ بھی تم کو معلوم ہے کہ اوپر سردی یہاں سے زیادہ ہے تو بادل اوپر پہنچے تو وہاں اُن کو خنکی ملی، اور اس خنکی پانے سے وہ برسنے شروع ہوئے۔ جب خنکی بہت زیادہ ہوئی، تو بھاپ جم گئی اور اس جمی ہوئی چیز کا نام اولا ہے۔ جو پانی کے ساتھ برستا ہے، جاڑوں میں تم نے بارہا دیکھا ہو گا کہ صبح کے وقت تمام آسمان پر کہر ہوتا ہے، یہ بھی وہی بھاپ ہے، تو اتنا تو تم اچھی طرح سمجھ گئیں کہ مینہ بادل اور اولا کیا چیز ہے۔

ہاجرہ۔ جی ہاں یہ تو خوب اچھی طرح سمجھ میں آگیا۔

نسیمہ۔ اچھا اب آگے چلو، بجلی کیا چیز ہے، یہ تم کو میں پہلے بتا چکی ہوں کہ دو چیزوں کے رگڑنے سے چمکارا پیدا ہوتا ہے۔ ہزاروں دفعہ تم نے دیکھا ہو گا دو پتھر رگڑے اُن سے کچھ چمک پیدا ہوئی، یہ اصل میں گرمی ہوتی ہے، جو ہر چیز میں ہے برف تک میں ہے، تو بادلوں میں جو گرمی ہوتی ہے، اس کا نام بجلی ہے۔ تم نے سنگ مقناطیس دیکھا ہے، اس کی طرف لوہا کھنچکر آتا ہے، اسی طرح اگر دو چیزیں، کم گرمی اور زیادہ گرمی کی برابر رکھو، تو زیادہ گرمی سے گرمی نکلکر کم گرمی میں آجائے گی پس بادلوں میں وہ گرمی جب ایک سے نکلکر دوسرے میں جاتی ہے۔ اس کا نام کڑک ہے، جب بادل زمین کے قریب ہو تو نزدیکی کی وجہ سے زمین اس گرمی کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اور اسی کا نام بجلی گرنا ہے۔

ہاجرہ بھابی جان! ان باتوں کو سنکر تو اچنبھا سا معلوم ہوتا ہے پہلے تو میں کچھ اور ہی سمجھ رہی تھی۔

نسیمہ تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ زمین جو اتنی بڑی ہے، سورج سے چھوٹی ہے اور

اور تارے جو اتنے چھوٹے نظر آتے ہیں، یہ بھی زمین سے بڑے ہیں۔ آفتاب ہم سے پونے پانچ کروڑ کوس دور ہے، چاند زمین سے چھوٹا ہے اور ایک لاکھ بیس ہزار کوس دور ہے، آفتاب تو روشن ہے، مگر چاند میں بالکل روشنی نہیں ہے وہ صرف سورج کی روشنی پڑنے سے روشن ہوتا ہے، اسی طرح بعض تارے بھی ہیں۔ یوں تو سب تارے ان میں چمکدار ہیں، مگر بعض ان میں بے نور ہیں، اور جس طرح آفتاب کی شعاع سے زمین چمکتی ہے۔ اسی طرح وہ بے نور تارے دھوپ پڑنے سے ہمکو چمکدار نظر آتے ہیں، تمکو میں بتا چکی ہوں، کہ زمین گول ہے سورج کے سامنے جس طرف سے ہوئی، وہاں دن ہوا، دوسری طرف اندھیرا یعنی رات، دن کو جو تارے ہم کو چمکتے ہوئے نظر نہیں آتے اس کی وجہ یہ ہے کہ آفتاب کی شعاعیں اتنی تیز اور روشن ہوتی ہیں، کہ تارے بالکل مدہم ہو جاتے ہیں، نہ وہ خود نظر آتے ہیں نہ ان کی روشنی، ایک بات اور سن لو۔ قدرت کے اس تمام انتظام میں ایک چیز کشش بھی ہے، زمین ہر چیز کو جس طرح اپنی طرف کھینچتی ہے۔ کیونکہ جو چیز تم اوپر سے پھینکو وہ نیچے گرے گی، یا اچھالو تو نیچے آئے گی۔ اسی طرح یہ چاند تارے سورج سب آپس میں ایک دوسرے کو کھینچ رہے ہیں۔ زمین سمیت گیارہ تارے ہیں جو آفتاب کے گرد گھوما کرتے ہیں، زمین ایک گھنٹہ میں اٹھاون ہزار میل کے قریب چکر کر جاتی ہے، تحقیقات سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تاروں میں دنیا بسی ہوئی ہے، پہاڑ وہاں ہیں بادل وہاں ہیں، برف وہاں، ہوا وہاں، یہ بھی سن لو، کہ جب سورج اور چاند کے بیچ میں زمین گھومتی ہے، تو چاند گہن ہوتا ہے اور جب سورج اور زمین میں چاند آ پڑے گا تو سورج گرہن ہو جائے گا۔

اتنا تم کو معلوم ہے کہ ہلکی چیز اوپر جلدی آ جاتی ہے، اگر کسی برتن میں تیل اور پانی ہو تو اس لیے کہ تیل ہلکا ہوتا ہے اور پانی بھاری۔ تیل تیر کر پانی کے اوپر آ جائیگا

اگر کسی برتن میں پھونس بھرا ہوا ہو اور اس میں پانی ڈالو تو پانی کے اوپر پھونس کے تنکے تیل کی طرح اس لیئے تیرنے لگیں گے کہ وہ پانی سے ہلکے ہیں۔ کنکوے یا پتنگ کو دیکھو کس طرح ہوا میں اُڑتا ہے، مگر حساب کرو تو معلوم ہو کہ اس کاغذ نے کتنی ہوا کو گھیرا، غرض جتنی ہلکی چیز ہو گی اسی قدر اس پر کشش کا اثر زیادہ ہو گا اگر پتنگ کو ہوا میں اُڑا کر چھوڑ دو، تو کچھ دیر بعد وہ بھی نیچے گر گی۔ لیکن بھاری چیز جلد آ پڑتی ہے، کیونکہ اس پر کشش کا اثر زیادہ ہے، ہوا میں بھی وزن ہوتا ہے گو ظاہر میں چاہے نہ معلوم ہو، لیکن غور کرنے سے پتہ چلا ہے کہ ایک دو بیگھ جگہ میں کچھ نہیں تو پانسیر ہوا تو ہو گی۔

اچھا یہ سنو کہ مقناطیس کو تم نے دیکھا ہو گا، اس میں یہ خاصیت ہے کہ یہ لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے، بلکہ اگر کوئی مقناطیسی لوہے کی ایک لمبی سی سوئی بنائے تو اس کا ایک حصہ شمال کی طرف اور ایک جنوب کی طرف رہیگا یہی کیفیت قبلہ نما کی ہے، اگر رات بے رات کو جنگل میں پہاڑ پر جائے کسی جگہ ہو، سمت معلوم کرنے کی ضرورت ہو، تو اس سے فوراً معلوم ہو جائیگا۔ کیونکہ اس کا رخ ہمیشہ قبلہ کی طرف رہیگا، یہ بہت موٹی موٹی باتیں ہیں جو میں نے اس وقت تم کو بتائیں، آؤ لگے ہاتھ تم کو کچھ مختصر سی کیفیت رنگوں کی بھی بتا دوں دنیا سمجھتی ہے کہ بیسوں رنگ ہیں، لیکن حقیقت میں رنگ صرف تین ہیں سرخ، زرد، اور سیاہ، باقی جتنے بھی رنگ ہیں سب انہی تین رنگوں سے بنتے ہیں اور سب رنگ ملکر سفید رنگ بنتا ہے، تم نے برسات کے دنوں میں آسمان پر کمان جو نکلی دیکھی ہو گی اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی کی بہت چھوٹی چھوٹی بوندیں بچ جاتی ہیں جہاں سورج سامنے آیا۔ اور اس کی شعاع ان بوندوں میں رنگین دکھائی دینے لگی ایک بات اور بتاتی ہوں، یہ تو بارہا دیکھا ہو گا کہ ہم گاڑی یا ریل میں بیٹھے

جارہی ہیں، اور باہر گردن نکالکر جو دیکھا تو ایسا معلوم ہوا۔ کہ زمین بے تحاشہ بھاگی چلی جارہی ہے۔ لیکن اصل میں زمین نہیں بھاگتی، بلکہ ہم خود گاڑی یا ریل میں بھاگے چلے جاتے ہیں، اور بھاگتی زمین معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح جب کبھی چاندنی رات میں بادل کے ٹکڑے آسمان پر ہوتے ہیں، تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چاند زور سے بھاگ رہا ہے۔ کبھی اس بادل میں سے نکلا اُس بادل میں گیا، کبھی اس میں سے نکلا اور میں گیا، لیکن یہ بھی وہی بات ہے، چاند تو بالکل نہیں چلتا، صرف ہوا بادلوں کو اُڑائے جاتی ہے، کبھی چاند اُن میں چھپ جاتا ہے، اور جب وہ آگے بڑھ جاتے ہیں نکل آتا ہے۔ لیکن ریل اور گاڑی کی طرح معلوم ایسا ہوتا ہے کہ چاند چل رہا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔

ہاجرہ۔ اچھا بھابی جان آپنے جو کچھ فرمایا سب مجھے حرف بحرف سن لیجئے، اور پھر کڑاہی کا سامان منگوائیے۔

جب ہاجرہ نے تمام باتیں اچھی طرح سنا دیں تو اپنے قول کے بموجب نسیمہ نے کڑاہی تلوادی۔

(۲۲)

برسات کے دن تو تھے ہی، ہلکی ہلکی بوندیاں دن بھر پڑتی رہیں، شام کو سویرے ہی سے نسیمہ نے پلنگ اندر بچھوالیے، عشاء سے فارغ ہو کر دونوں نند بھاوجیں لیٹیں تو نسیمہ نے کہا، بہنی ہاجرہ میں نے تم کو اس دن بتایا تھا کہ بیوی ہونے کی حیثیت سے عورت میں کیا کیا عیب ایسے ہوتے ہیں جو اس کو بدترین بیوی بنادیں۔ مگر وہ مضمون پورا نہ ہوا، اور تمہارے بھائی صاحب آ گئے، اور میں اُن کو کھانا دینے میں مصروف ہو گئی، ایک عیب عورت میں اس کی فضول خرچی بھی ایسا ہے جو اس کے واسطے سو عیبوں کا عیب اور ہزار برائیوں کی برائی ہے

مجھے تو تعجب ہوتا ہے ان بیویوں پر جو اپنے اس عیب سے باز نہیں آتیں، اور فضول خرچی کو نہیں چھوڑتیں وہ اگر خود روپیہ کمائیں تو اُن کو معلوم ہو کہ کس محنت اور مصیبت سے ایک پیسہ ہاتھ آتا ہے، تم خود ہی غور کرو، اور انصاف کرو کہ ایک مزدور جلتی بلبلتی دھوپ میں اور لو کے گرم تھپیڑوں میں دن بھر سر پر ٹوکری ڈھو کر کوٹھے پر چڑھتا اور اُترتا ہے، جب ہم اس کو شام کے وقت چار آنے دکھاتے ہیں اسی طرح جو لوگ ہمارے شوہروں کو بھر بھر جھولی روپے دیتے ہیں وہ اُن سے کیسی کچھ مشقت نہ لیتے ہونگے، کوئی اپنا پیسہ مفت نہیں دیتا مرد مرد سب برابر ہیں کسی نے ٹوکری ڈھو کر کھائی، کسی نے قلم چلا کر، مگر مفت نہ اس کو کوئی دیگا نہ اس کو۔ بیچارے مزدور کے واسطے تو اتنا آرام ہے کہ وہ مزدوری کے بعد جب رخصت ہوا تو بے فکری کی نیند سو گیا۔ لیکن بڑا

جن کے رتبے ہیں سوا اُن کی سوا مشکل ہے

جتنی زیادہ تنخواہ اتنی ہی زیادہ ذمہ داری، رات کو سوتے ہیں تو ڈر ہے کہ کہیں فلاں کاغذ چوری نہ ہوجائے۔ صبح کو کھانے میں دیر ہوئی تو دل ہول رہا ہے کہ صاحب نہ آ گئے ہوں۔ کیا ملازمت سے بدتر بھی کوئی پیشہ ہو سکتا ہے، جیسے تمہارے آگے یہ کم بخت نصیبا۔ اسی طرح کلکٹر صاحب کے آگے تمہارے بھائی ہیں۔ میں نے خود اپنی آنکھ سے ایک دفعہ دیکھا ہے کہ غلاموں کی طرح ہاتھ باندھے حضور حضور کہہ رہے تھے۔ جی میں خوش ہونے کو تحصیلدار سمجھ لو، یا ڈپٹی، مگر اصلی کیفیت تو میری بیٹی یہ ہے کہ نوکری کیا غلامی ہے، دس روپے زیادہ تنخواہ پانے والا ابھی افسر ہے جہاں اس نے آواز دی اور جھٹ حاضر ہوئے تمہاری ماما تو شاید ایک دو مرتبہ ٹال جائے اور اگر زیادہ کہو سنو تو ٹکا سا توڑ جواب دے کہ بیوی اپنی نوکری تہ کر رکھو، میرے ہاتھ پاؤں سلامت ہیں تو نوکریاں بہیں، بیگم ہاتھ نیچے

ہیں کوئی ذات تھوڑی بچی ہے مگر ان مردوں بیچاروں کی ہرگز اتنی ہمت نہیں کہ اُف کر سکیں، خود میرے ابا جان پر یہ گذر چکی ہے کہ صاحب نے صبح ہی دورہ پر چلنے کا حکم دیا، رات کو چچی جان کا انتقال ہوا، صبح ہی صاحب کے کہنے گئے مگر اُنھوں نے خاک نہیں سُنا، نتیجہ یہ ہوا کہ مردہ گھر میں بے گور و کفن پڑا رہا اور وہ نوکری کی وجہ سے روانہ ہوئے، صاحب مہربان تھا۔ تھوڑی دور جا کر کہا اچھا تم اپنی چچی کو دفن کر دو، مگر یاد رکھو نوکری سے ان باتوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ تمہاری چچی مر گئیں تو ہم کو کیا، ان کا کوئی احسان ہم پر نہیں، جس کے بدلے آج ہم اُن سے ہمدردی کریں، سو میری جان اب سمجھ لو، کہ نوکری کیسی چیز ہے اور یہ غریب مرد کس مصیبت سے اپنی تنخواہ ہمارے سامنے لا کر رکھ دیتے ہیں مگر میں تو پھر یہی کہوں گی کہ شاباش ہے ان بیویوں پر جو ایسے گاڑھے پسینہ کی کمائی اور اس محنت و مشقت کی روزی کی قدر نہ کریں، اور دریا دلی سے لٹا دیں یہ ہرگز بیویاں کہلانے کی مستحق نہیں، بلکہ دوست کے پردہ میں دشمن یا بیوی کی حیثیت میں سوکن ہیں، فضول خرچی ایسی ظالم چیز ہے، جس کی بدولت ہزاروں خاندان برباد ہو گئے اور اس کی ذمہ دار زیادہ تر بیویاں ٹھہریں اسلئے ہے یہ ماجرہ مجھکو اپنی ایک سہیلی کا واقعہ یاد آ گیا۔ خیال آتے ہی بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ خدا دشمن کو بھی ایسی کم بخت بیوی نہ دے، یوں تو پڑھی لکھی صورت شکل کی اچھی سب صفتیں موجود تھیں، مگر ایک فضول خرچی نے وہ گت بنائی کہ الٰہی توبہ!

میاں ماشاء اللہ ڈیڑھ سو روپے کے نوکر تھے، اور فقط ڈیڑھ سو ہی نہیں اوپرے کچھ نہ کچھ مل جاتا تھا۔ مگر اتنے سیدھے کہ ایسا آدمی دیکھا تو کیا سنا بھی نہیں، پہلی کی پہلی تنخواہ لاتی اور بیوی کے ہاتھ میں دیدی۔ بس ان سے تنخواہ کا واسطہ فقط اتنی دیر رہتا تھا کہ کچہری سے گھر تک لے آئے، جو کھانا بیوی نے آگے رکھدیا

وہ کھا لیا، جو کپڑا پہنا دیا وہ پہن لیا۔ کبھی اللہ کے بندے نے اُلٹ کر کوئی بات پوچھی ہی نہیں، کہدی طل ہوئی تو واہ واہ اور مونگ کی دال ہوئی تو سبحان اللہ بیوی بے ڈھنگی فضول خرچ تو ازلی تھیں، میاں کی اس غربت نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا، جو چاہتیں وہ کرتیں۔ جو جی میں آتا وہ اُٹھاتیں۔ بچے گنتی میں تو چھ تھے مگر سب چھوٹے کیا کہتے، کیا سنتے، گھر کا حال یہ ڈیڑھ سو روپیہ کے تنخواہ دار کی بیوی ہاتھ میں کڑا نہ پاؤں میں کڑا، سونے کا تار نہ چاندی کا چھلا، آرام طلبی کی کیفیت یہ کہ پلنگ پر چوہا چادر، بچوں کے کپڑے چیکٹ، مگر مامائیں ایک چھوڑ دو دو موجود رات کو جاڑوں میں سکڑ کر پڑ گئے تو بلا سے مگر لحاف کے بدلے ایک روپیہ کی برف دن کو کھا لی، زبان کو وہ چٹخارہ کہ کوئی سودے والا ہو، گلی میں سے خالی نہ جائے فقیروں کا سا گھر کہ دری نہ چاندنی، ٹوٹے بوریئے، میلی کچیلی پھٹی پرانی دقیانوسی چادریں، دلیلوں کے بچے، کرتہ نہ ٹوپی، جوتی نہ اچکن، کھلتے جوتی۔ لیری کرتہ جھیر جھیر ٹوپی، ہر چند سارے ہی عزیزوں نے اس نیک بخت کو سمجھایا کہ مامائیں الگ کر اور وہ مثل یاد رکھو، لونڈی بن کمائیے اور بیوی بن کھائیے، مگر اس اللہ کی بندی کو آرام طلبی کا ایسا چسکا پڑا کہ ہلنا بھی دوبھر ہو گیا۔ پانی تک بھی تو خود نہ پیتی تھی اور کہتی یہ تھی کہ کیا کروں، مجھ سے تو کچھ ہو ہی نہیں سکتا، کمزوری کی حد ہے کھڑی ہوتی ہوں تو سانس پھولجاتا ہے مگر سمجھنے کی بات ہے، تمام عضو بیکار چھوڑ دیئے جائیں گے تو وہ آپ ہی رفتہ رفتہ معطل ہو جائیں گے۔

آمدنی ڈیڑھ سو اور خرچ پورا اڑھائی سو اور ایسا بے ڈھنگا کہ توبہ بھلی، بڑا لڑکا فیس کے لیئے رو رہا ہے وہ نہ دی، مگر مرغی بکوا لی۔ میاں کچہری جا رہے ہیں۔ تیاری میں پان نہیں۔ لیکن ان کے پیچھے چار آنے کے کچالو اور دہی بڑے چٹ کر لئے جب دیکھا کہ اس بھاگوان پر نہ کہنے کا اثر نہ سمجھانے کا نتیجہ تو سب خاموش ہو گئے

وہ اللہ کی بندی دن دونی رات چوگنی ہوتی گئی، انجام یہ ہوا کہ اٹھارہ برس کی نوکری میں اللہ کی بندی ساڑھے پانچ ہزار کی قرضدار ہوگئی اور مزا یہ کہ میاں بدنصیب کو خاک خبر نہیں۔ وہ بیچارے اگلے زمانہ کے آدمی جن کو تقاضے سے نفرت قرض سے وحشت، اُن کو کیا خبر کہ بیوی یہ گل کھلائے بیٹھی ہیں۔ بنا ہوا زمانہ تھا ساکھ بندھی ہوئی تھی، دنیا جانتی تھی۔ کہ سررشتہ دار کی بیوی ہیں روپیہ دودھ پتا ہے۔ جو منگوایا آنکھ بند کی اور بھیج دیا۔ مگر جب میاں کی پنشن ہوئی اور کام دوسرے کے سپرد کر دیا تو وطن چلنے کی تیاری ہوئی۔ ایسے سیدھے اور سچے مسلمان پر ساری بستی جان چھڑکتی تھی۔ سینکڑوں آدمیوں کا مجمع اسٹیشن پر پہنچانے کے وقت تھا۔ اترا اٹھنا مرد کنام بنیوں کو اب کیا ضرورت تھی کہ مروت کرتے اور چپ رہتے۔ عین اس وقت جب ٹکٹ خرید رہے تھے، بھولا بنئے نے آکر کہا سرکار تشریف لیجا رہے ہیں میرا حساب صاف کرتے جایئے۔

بیچارے سررشتہ دار اس شان کے آدمی کہ مقروض کے پڑوس میں بھی رہنا گناہ سمجھیں۔ بالکل دنگ رہ گئے، اور پوچھا بھائی کیسا حساب۔

بنیا۔ سرکار تیس سو روپیہ ہے، کیا کہوں ذرا آج کل کام کاج ایسا ہی چل رہا ہے، نہیں تو کچھ بات نہ تھی۔

چپراسی (آگے بڑھ کر) حضور کے اسباب کی قرقی کا وارنٹ یہ میرے پاس اس کے دعوے کا ہے جو ارشاد ہو وہ تعمیل کروں۔

بیوی خوش خوش اسٹیشن پر سے مٹھائی خرید رہی تھیں، کہ میاں بدنصیب نے جا کر پوچھا۔ جواب کیا دے سکتی تھیں، روانگی کے واسطے تیس روپے بھی نہ تھے چپراسی نے سارا اسباب اپنے قبضہ میں کیا۔ جو گٹھریاں ریل میں رکھدی گئی تھیں وہ بھی اتروا لیں۔

جس قدر آدمی سررشتہ دار صاحب کو پہنچانے آئے تھے۔ اس حالت کو دیکھکر سناٹے میں رہ گئے، اور سمجھ گئے کہ ایک فضول خرچ بیوی کے ہاتھوں ایسے سیدھے اور عزت دار آدمی کی یہ بے عزتی ہوئی ہے۔ سررشتہ دار صاحب کی آنکھ سے اسوقت آنسو نکل پڑے، بیوی سے صرف اتنا کہا کہ تم نے جو کچھ کیا اچھا کیا، مگر میری یہ سپید ڈاڑھی اب اس لائق نہیں کہ میں دنیا کو منہ دکھا سکوں اتنا کہا اور سامنے کے کنوئیں میں جا کر ڈوب مرے۔

ہاجرہ پیاری خدا ایسی بدنصیب اور بیہودہ بیویوں سے سب کو بچائے جنکی وجہ سے تمام خاندان بدنام ہو، اور جو باپ دادا کی عزت پر اتنا بڑا دھبہ لگا دیں بیٹی یاد رکھو، کہ اس کم بخت فضول خرچی کے مرض سے ہمیشہ بچنا اور جو کچھ خدا دے اپنی تمام ضرورتیں اسی میں پوری کرنا۔

(۲۴)

محلہ میں ایک انجمن خواتین اسلام کے نام سے تقریباً دو سال سے کام کر رہی تھی اس کے سالانہ جلسے میں نسیمہ کی صدارت تجویز ہوئی۔ اور یہ اعلان کیا گیا کہ میاں بیوی کے تعلقات پر جس کی بحث سب سے بہتر ہوگی اس کو ایک سونے کی گھڑی انعام دی جائے گی۔ زور شور سے تقریریں اور دھوم دھام سے جلسہ ہوا۔ آخر روز جس دن جلسہ ختم تھا، تقریر صدارت تھی۔ نماز عشا کے بعد نسیمہ بیگم نے اپنی تقریر اس طرح شروع کی۔

بہنو اور بیٹیو! مجھکو تمہارے اس کامیاب جلسہ میں شریک ہونے سے جس قدر خوشی ہوئی میں ہرگز اس کو بیان نہیں کر سکتی۔ میں تم سب کی ممنون ہوں کہ مجھکو صدارت کی کرسی عنایت فرما کر میری قدر افزائی کی، بہنوں نے جس قابلیت سے شوہر اور بیوی کے

تعلقات پر بحث کی ہی، وہ یقیناً قابل داد ہی۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں میں جو کچھ اس وقت خرابی ہی اس کی جڑ صرف میاں بیوی کے تعلقات کی کشیدگی ہی اور آئندہ کی تمام فلاح و بہبود کا انحصار اسی اصول پر ہی، بچے ماؤں کی گود میں پرورش پا کر ان ہی کی خو بو اختیار کرتے ہیں۔ اور ماں باپوں کو لڑتا جھگڑتا دیکھکر ان ہی کی عادت و اطوار سے سبق سیکھتے ہیں۔ اس لیے ظاہر ہے کہ جن میاں بیوی میں سلوک نہیں وہ صرف اپنی ہی زندگی برباد نہیں کر رہے، بلکہ اپنے بچوں کی بھی مٹی پلید کر رہے ہیں۔ خاندان ان کے ہاتھوں تباہ ہوتے ہیں، عزتیں اُن کے طفیل برباد ہوتی ہیں اور بڑوں کی تمام عزت و آبرو رکھی رکھائی محض ایک کشیدگی کے ساتھ رخصت ہو جاتا ہی۔ لیکن جب ہم اس کی اصل وجہ کو دیکھتے ہیں تو ہم کو سب سے پہلے ماں باپ کی ذمہ داری کو ٹٹولنا پڑتا ہے کوئی وجہ نہیں ہی کہ جب ہم بیٹیوں کو اُن کے فرائض پر متوجہ کریں تو اس غفلت کو قطعی اڑا دیں، جو والدین نے اُن کے معاملہ میں برتی اور اسی غفلت سے وہ مرض پیدا ہوا۔ جس کا علاج نہیں وہ بخار چڑھا جس کو شفا نہیں وہ آفت آئی جس کا چارہ نہیں، اور وہ مصیبت آئی جس سے چھٹکارا نہیں، یہ وہ غفلت ہی جو عام طور پر کی جا رہی ہے اور گو زمانہ کی ضروریات یا فطرت اس غفلت کا خاتمہ کر دے اور اکثر موقعوں پر اس کے برے نتیجے نہ پیدا ہوں لیکن جہاں یہ گھن لگ گیا وہاں اس نے ایسی ایسی جڑیں کھوکھلی کیں کہ تناور درخت اور عظیم الشان شہتیر دیکھتے ہی دیکھتے دھم سے آ پڑے۔ تم میں سے اکثر بیویاں ہیں

بہت سی مائیں اور بعض بیٹیاں، کوشش کرو تو یہ نقص دور ہو اور وہ یہ ہی کہ شادی کے وقت دنیا بھر کی جہان بین، ذات، صفات، تعلیم، تمول، شرافت، نجابت یہ وہ غرض سارے جہان کے بکھیڑے طے ہوتے ہیں۔ مگر دیکھنے کے قابل سب سے پہلی بات یہ ہی کہ لڑکے کا مزاج کس قسم کا ہی۔ اور لڑکی کا کیسا۔ آیا دونوں کے مزاج میں کوئی ایسا زمین و آسمان کا فرق تو نہیں ہی جس کو کوئی طاقت موافق نہیں کر سکتی۔ مثلاً لڑکا پردہ کا سخت پابند ہی، اس کی رائے میں پردہ شرعی ضروری ہی اور وہ یہ کہ سوا باپ اور حقیقی بھائی وغیرہ کے کسی کے سامنے نہ ہو حتیٰ کہ ماموں زاد، پھوپھی زاد بھائی سے بھی چھپے، لیکن لڑکی کی تعلیم آج کل کے زمانہ کے موافق ایسی ہوئی کہ وہ جلسوں اور لکچروں سے فائدہ حاصل کرے، شام کے وقت ہوا خوری کو باہر جا سکے تازی ہوا کھائے، قدرت کی دلچسپیوں کو دیکھے، ظاہر ہی کہ میاں بیوی کا یہ اختلاف دور ہونا کس قدر مشکل اور سخت ہی۔ بظاہر تو والدین بہت بڑے فرض سے ادا ہوئے۔ ہزاروں کا چڑھاوا آگیا۔ روپیہ کی بھی ریل پیل ہو گئی، مگر گویا یہ بیل منڈھے ہی چڑھنے والی ہی۔ والدین کو اپنی ذمہ داری پوری محسوس کر لینے کے بعد دنیا کے تمام کاروبار انہی دونوں میاں بیوی پر چھوڑ دینے چاہئیں، اور اب یہ صرف بیوی کا فرض ہی کہ وہ شوہر کے دل میں محبت پیدا کرے یا نفرت، میں یہ تو نہیں کہتی کہ عورت پر مرد کا سجدہ واجب ہی۔ کیونکہ ہمارا سچا مذہب جس نے ایک کو دوسرے کا لباس بنایا، ایسا لغو نہیں ہو سکتا کہ ایک جگہ یہ کہتا اور دوسری جگہ برابر کے رشتہ میں عبد معبود کا فرق

بتاتا، نہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کو منسوب
کر سکتی ہوں۔ کیونکہ آپ نے کھلے ہوئے الفاظ میں فرما دیا ہے کہ عورتوں
کی اہانت وہی مرد کرتے ہیں جو لئیم ہیں۔[له] میں یہ بھی جانتی ہوں
کہ یورپ کے بعض ڈاکٹر تحقیقات کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مرد
اور عورت کا دماغ قبولیت اور نشو و نما کے اعتبار سے برابر ہے۔ مگر
یورپ کی عورتیں ہمارے سامنے موجود ہیں وہ قوائے جسمانی کے اعتبار
سے یقیناً اپنے مردوں سے کمزور ہیں، اور ان کے برابر زحمت
برداشت کرنے کے ناقابل، اس کو کلام ربانی نے قوامون سے
تعبیر فرمایا ہے تو ظاہر ہو گیا کہ قدرت کا یہ انتظام اس طرح کیا گیا ہے
کہ عورت زندگی کے بعض معاملات میں مرد کی اور مرد بعض معاملات
میں عورت کا محتاج ہے، یہ کہنا کہ مرد حاکم ہے اور عورت محکوم، ممکن
ہے عورتوں کی کسر شان اور اسلام کی توہین ہو، مگر جو اختیار مرد کو دیے
گئے ہیں ان میں اس کی مرضی عورت کی مرضی سے مقدم ہے۔

ہمارے موجودہ تمدن میں ایک بیوی کی سرتابی پر بہت سی باتوں کا
دارومدار ہے، بزرگوں کی عزت پر اس سے حرف آئے، خاندان
کی آبرو پر اس سے بٹہ لگے، عزیز و اقارب اس سے نکو ہوں، آئندہ
کی نسلوں میں اس سے پانی مرے، اس لئے جب تک موجودہ
تمدن ہی تبدیل نہ ہو، اس کا بدلنا آسان بات نہیں ہے، نہایت
ضروری ہے کہ بیوی، جہاں تک ممکن ہو، میاں کے رضامند رکھنے
کی کوشش کرے، بیویو! تم نے دیکھا ہوگا، جنگلی ہرن جس کو انسان

لہ ولا اہانہن الا لئیم

کے نام سے وحشت ہے، پیار سے رام ہو جاتا ہے، کیسے کیسے پرند جو
انسان کی آواز سے بھڑکیں اس کے ہاتھوں پر بیٹھتے، اس کے گھروں
میں رہتے اور اپنی سریلی باتوں سے اس کا دماغ تر و تازہ کرتے ہیں۔
ایک دکھ پال لینا جس میں قدرت نے بل جانے کا مادہ رکھا ہے کوئی ٹیڑھی
کھیر نہیں۔ کوشش تمہاری ہے اور قدرت تم کو مدد دینے کے واسطے
موجود، نواب ذوالقدر جنگ بہادر جن کو مرے ہوئے آج بیس برس سے
زیادہ ہو گئے ہیں اور جن کی محل سرا اب بھی پھوپی اماں کے مکان
سے تھوڑی دور کھڑی آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔ گو اب موجود
نہیں ہیں مگر ان کا نام شہر میں بچہ بچہ کی زبان پر موجود ہے۔ تم
میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جس نے یہ نام نہ سنا ہو۔ میں چھوٹی سی تھی
جب ان کی بڑی صاحبزادی قمر آرا بیگم کا نکاح فریدوں قدر
بہادر سے ہوا، خدا جھوٹ نہ بلائے تو ہزاروں روپیوں کی تو
صرف آتشبازی ہی چھوڑی گئی ہوگی۔ کامل آٹھ دن محلہ بھر میں
کھانا نہیں پکا۔ شادی کیا ایک رحمت تھی۔ جس نے بہت سے محتاجوں
کو کئی وقت کے فاقے سے بچا دیا۔ ہم اکثر ان کی خدمت میں جاتے
اور میں تو خصوصاً ہر وقت وہیں رہتی تھی، کیونکہ وہ پھوپھی اماں کی
سب سے عزیز شاگرد تھیں، مگر ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ انہوں نے سیدھے
منہ میاں سے بات کی ہو، ایک روز میرے سامنے کا ذکر ہے، نواب
صاحب بیسوں ہی تھان کپڑے کے لائے، اپنے ہاتھ سے کھول کھول کر
ان کے آگے رکھتے، تعریفیں کرتے اور بیوی کا منہ دیکھتے کہ شاید پسند
آ جائے مگر ان کو تو سانپ سونگھ گیا، کسی کو بھدی کہا کسی کو موٹا، کسی کو

گئے کا کفن کسی کو ذلیل، خیال کرو کیسی لغو حرکت تھی، تہذیب کے خلاف انسانیت سے دور، عقل سے بعید، مگر وہ بیوی سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ اُلٹے پاؤں پھر نے گئے، غرض دو دفعہ اور لائے لیکن ان بیگم صاحب کی سمجھ میں خاک نہ آیا۔ صبر کرکے بیٹھ گئے، محبت کا یہ حال تھا کہ ہر وقت اُن کا منہ تکتے، پان بھی مانگتے تو گڑگڑا کر، جیسے کوئی بھیک مانگتا ہو۔ پھوپھی اماں نے ہزاروں کیا لاکھوں ہی دفعہ سمجھایا مگر اُن پر اثر نہ ہوا، کیسی حسرت نصیب زندگی تھی، نواب صاحب کئی کئی رات دن اکیلے بیٹھے رہتے اور بیوی پرواہ نہ کرتیں۔ بیچارے کا ایک مقدمہ کئی لاکھ روپے کا چل رہا تھا، جو کچھ جمع پونجی تھی وہ کچہریوں کی نذر ہو چکی تھی، مگر مقدمہ تھا کہ کسی طرح ختم ہی نہ ہوتا تھا جب کچھ پاس نہ رہا تو انہوں نے دوپہر کے وقت نہایت عاجزی سے بیگم صاحب سے کہا، میرے پاس اب کچھ نہیں۔ محلسرا کا روپیہ بھی ختم ہو گیا! اب دس ہزار روپے وکیل اور منگوا رہے ہیں۔ بتاؤ کیا کروں ابا جان سے منگوا دو۔ اگر میں زندہ رہا تو یہ قرض ادا کر دونگا بیگم صاحب نے جن آنکھوں سے نواب صاحب کو دیکھا وہ نگاہ مجھے ابتک یاد ہے، شرافت کا دریا اُن کی آنکھوں میں لہریں لے رہا تھا اور محبت کے سچے موتی اُن کی آنکھوں میں چمک رہے تھے اُٹھ کر کوٹھری میں گئیں۔ زیور کا صندوقچہ کھولا اور جو زیور بدن پر تھا اُتار کر اس میں رکھا، ننگی بچی تھیں، مگر کان ہاتھ ڈھانک کر باہر آئیں اور نواب صاحب سے کہا۔

ابا جان سے مانگنے کی ضرورت نہیں، ابھی تو یہ موجود ہے

نواب صاحب کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے، بیگم صاحب وہاں سے اُٹھ گئیں، انہوں نے روکا بھی مگر نہ ٹھیریں۔ مجبور زیور لیکر چلے گئے تقدیر کی بات مقدمہ ہاتھ سے جاتا رہا۔ اور وہ وقت آیا کہ گھر میں ضرورت آ پڑے تو ٹکا تک نہ تھا۔ محلسرا کا کرایہ بہت زیادہ چڑھ گیا تو مہاجن نے تقاضا کیا۔ اور مقدمہ کی خبر سنتے ہی لکھ دیا کہ خالی کر دیجئے۔ بڑے نواب صاحب داماد سے ناخوش تھے۔ جب یہ سنا کہ بیٹی محلسرا خالی کر رہی ہے تو کہلا بھیجا کہ تم یہاں چلی آؤ۔ بیگم صاحب نے باپ کے اس پیغام پر نہیں، اور باپ کو بہت بہت آداب اور شکریہ کے بعد لکھ بھیجا کہ میرا ہاتھ ایک غیر شخص کے ہاتھ میں اس لئے دیا تھا کہ آج مصیبت میں اس کا ہاتھ جبتک باپ کے ہاں آ بیٹھوں، مجھے یقین ہے کہ آپ کے در پر مجھے روٹی کی کمی نہیں مگر کیا وہ کھانا مجھے زہر نہیں ہے۔ جو میں تنہا کھا لوں وہ بھوکا سوئے۔ میں پیٹ بھروں، وہ زمین پر لیٹے میں پلنگ پر سوؤں، عیش میں اس کی شریک تھی، مصیبت میں اس کی ساتھی ہونگی، دریا کے کنارے جنگل میں ہماری جھونپڑی ہو گی۔ مگر وہ جنگل آپ کے محل سے بہتر اور سوکھے ٹکڑے آپ کے پلاؤ سے اچھے ہونگے۔ ہوا ہماری خدمت گزار سبزہ ہمارا فرش، پھل ہماری غذا، اور آب چمن ہمارا شربت ہوگا۔ میں اب اس شخص کی خدمت کرونگی جو میری ہمدردی کا محتاج ہے جس کی دنیا مجھ سے وابستہ اور جس کی زندگی مجھ سے متعلق ہے جس نے مدت العمر میری نازبرداری کی اور جسکی خدمت میری [illegible] اور دونو سنوار دیگی۔ آپکی فرمانبردار ہوں۔ آپکی خدمتگزار آپکی کنیز اسکی

غمگسار مگر مجھے وہ وقت یاد ہے کہ جب سید الشہدا امام حسین علیہ السلام نے
شہر بانو سے جا کر کہا، بانو تمام عزیز شہید ہو چکے، اور آب کوثر سے
سیراب ہو گئے۔ خدا کا واسطہ تم اپنے معصوم اصغر کو لیکر نکل جاؤ۔ تم والی
سلطنت کی بھانجی ہو میرے ساتھ اپنی اور اس شیر خوار کی زندگی برباد
نہ کرو۔ شہر بانو رو پڑیں اور امام سے عرض کیا ؎

بھائی کی فکر کچھ ہے نہ ماں کی نہ باپ کی
بیٹی ہوں بادشاہ کی لونڈی ہوں آپ کی

ابا جان اٹھارہ برس جس شخص نے راحت دی ہے اب اس سے کنارہ
کشی شرط شرافت نہیں۔

[میں پہلے روز اس جھونپڑی میں پھوپھی اماں کے ساتھ گئی تھی
جب بیگم صاحب پہنچی ہیں تو انہوں نے اس منڈھیا کو غنچہ گلبن بنا دیا
جنگلی پھول توڑ چاروں طرف گلدستے لگائے، خود کپڑے بدلکر
ایسی ہشاش بشاش تھیں کہ میں نے تمام عمر ان کو دیکھا نہ سنا۔ شام
کو جب نواب صاحب تھکے ہارے آئے ہیں تو انہوں نے دروازے
ہی سے ان کا استقبال کیا۔ قلعی دار پٹاری سے پان بنایا اور
کہا نواب صاحب یہ پٹاری اٹھارہ برس بعد آج نکلی ہے اور ہماری
محبت کے ابتدائی دنوں کی ہمراز ہے۔ یہ محلوں میں میرے ساتھ
تھی آج جنگلوں میں اس نے ساتھ نہ چھوڑا، وہ وقت اس نے دیکھا
تھا یہ وقت بھی دیکھا۔ اس کا ہر ٹکڑا رازدار اور ہر کونہ واقف کار ہے
بیگم کی تقریر سے نواب صاحب کا دل بھر آیا وہ باہر جا کر رو دیے
اور جب تک زندہ رہے روتے رہے، صدمہ نے انکا پیچھا نہ چھوڑا چارپائی

لگ گئے، بیگم نے سمجھانے میں کمی نہ کی مگر بخار ایسا ہاتھ دھو کر پیچھے
پڑا کہ اٹھنا بیٹھنا مشکل ہو گیا۔ میری عمر زیادہ سے زیادہ اس وقت
آٹھ برس کی ہوگی۔ پھوپی اماں قریب قریب آخر دنوں میں روز جاتی تھیں
بیگم صاحب نے جو کچھ خدمت اسوقت شوہر کی کی اسکا بیان کرنا مشکل ہے
وہ خود اٹھ بھی نہ سکتے تھے، اکیلی بیگم صاحب تھیں اور تمام تیمارداری
ایک رات جب نواب صاحب کی حالت خراب ہوئی ہے تو ہم دونو پھوپھی
بھتیجیاں وہاں گئے۔ بیگم صاحب ان کے پاؤں دبا رہی تھیں جب رات
زیادہ ہو گئی تو بارش شروع ہوئی۔ مینہ موسلا دھار برس رہا تھا اور ہوا
فراٹے بھر رہی تھی۔ نواب صاحب نے پانی مانگا۔ بیگم صاحب اسی مینہ میں
بھیگتی ہوئی لوٹے میں پانی لینے گئیں۔ آ رہی تھیں کہ اولوں کی
باڑ نے محبت کی اس سچی تصویر کے پاؤں میں تکلیف کی زنجیر
ڈالی ایک درخت کے نیچے ٹھٹکیں۔ مگر یہ خیال آتے ہی کہ پانی کو دیر
ہو جائے آگے بڑھیں۔ اولے تڑاق تڑاق پڑ رہے تھے ایک بڑے
اولے نے زخمی کیا چوٹ کاری لگی مگر اپنی لگن میں چلی آئیں نواب
صاحب کی حالت غیر تھی، پانی حلق سے اترا بھی نہیں اور وہ عالم
بقا کو سدھار گئے۔ ان کے مرتے ہی بیگم صاحب نے ایک چیخ
ماری، فاختہ دنیا والوں کو نیم کے درخت پر بیٹھی پیغام صبح پہنچا
رہی تھی کہ بیگم صاحب بھی اپنے شوہر سے جا ملیں۔ یہ دونو قبریں
چبوترے کے پاس محبت کی زندہ تصویریں اب تک موجود ہیں لوگو!
ہاتھ اٹھاؤ اور ان کے واسطے دعا کرو۔

ملکوت آسمانی پر راج کرنے والی پاک روح تو عالم بالا کو پرواز

کر گئی، تیرا یادگار تیرا جسد خاکی پیوند زمین ہے۔ مگر چشم بینا تیری ہستی میں رنگ برنگ کے راز دیکھ رہی ہے۔ خلوص کے سدا بہار پھول تیری قبر پر مہک رہے ہیں، انسانیت کا سبزہ لہلہا رہا ہے۔ جمنا کی لہریں تیرا کلمہ پڑھ رہی ہیں اور صبا تیرے مزار پر آفریں کے ہار چڑھا رہی ہے۔ قمر آرا بیگم کی پاک روح! جنت تیرا مسکن ہے، حیات ابدی کے دریا تیرے پاؤں میں لوٹ رہے ہیں اور شہرت دوام کا زیور زیب تن ہے۔ تو اسلام کا سچا نمونہ اور عورتوں کی بہترین تصویر تھی تو چلی گئی مگر تیرے کام اور تیرا نام باقی ہے۔ زمانہ کہیں سے کہیں پہنچ جائے مگر اس کی رفتار تیرے کارناموں کو بلند کرے گی۔ تیری زندگی آسمانی دنیا پر قمر چاردہم کی طرح چمکے گی اور اس کے پھول قیامت تک ایک عالم کو معطر کرتے رہیں گے۔

الٰہ العالمین ہم کو بھی توفیق دے کہ قمر آرا بیگم کا نمونہ بنیں اور میاں بیوی کے تعلقات میں بطفیل حبیب کریم انتہا ہی تا بہ قدم اور ایسا ہی مستقل مزاج بنا۔ آمین یا رب العالمین۔

نسیمہ کی اس تقریر نے حاضرین پر کچھ ایسا اثر کیا کہ سب کی سب اس کی گرویدہ ہو گئیں۔ دن رات ڈولیوں کا تانتا بندھا رہتا۔ وہ بھی لڑکیوں میں لڑکی اور بڑھیوں میں بڑھیا تھی۔ جو آتا جس رنگ کی گفتگو کرتا اسی ڈھنگ سے ملتی۔ ایک پندرہ ہی دن میں اس کا سکہ تمام شہر میں بیٹھ گیا۔ بڑی بڑی تجربہ کار عورتیں زمانہ دیکھے عمریں برتے اس سے مشورہ کرتیں صلاحیں لیتیں اور خدا کی عنایت بھی کچھ ایسی شامل حال تھی کہ اس کی رائے ہمیشہ تیر بہدف ہوتی۔

مدتوں کے بگڑے بگڑائے کام اس نے دم بھر میں سنوارے اور برسوں کی الجھی ہوئی گتھیاں چٹکیوں میں سلجھا دیں۔ اب کیا تھا آدھے سے زیادہ شہر اس کا مرید ہو گیا۔ اچھے اچھے اور بڑے بڑے خاندانوں کی عورتیں اس بات کی خواستگار کہ ہماری بیٹیوں پر نسیمہ کا پرچھاواں پڑے اور اس امر کی متمنی کہ ہماری بچیاں چوبیس گھنٹوں میں دو چار گھنٹے تو اس کی صحبت میں رہیں۔ نسیمہ اکل کھری تو کبھی بھی نہیں تھی۔ ہاں اس وقت اللہ رکھے دو بچوں کی ماں تھی۔ لڑکی بتول تو خیر چھٹے برس میں تھی مگر لڑکا وسیم گود میں تھا اور گو اس کی تربیت ایسی نہ تھی کہ وہ دن رات ماں ہی کی گود میں بیٹھا رہتا اور دنیا کے تمام کاموں سے فارغ کر دیتا۔ مگر پھر بھی اس کے کام کے جو وقت مقرر تھے اس میں وہ کبھی فرق نہ آنے دیتی ایک بچہ ہی پر کیا منحصر تھا جو وقت جس کام کے واسطے تھا وہ اسی میں اس کو پورا کرتی۔ اس کے اوقات کی تقسیم جہاں تک ہم کو معلوم ہے اس طرح تھی۔

(۲۴)

جاڑوں میں چھ بجے صبح کو اٹھتی۔ ماما گو گھر میں ایک موجود رہتی تھی۔ مگر اس لئے کہ بڑھیا پھونس تھی، وہ اس کو کبھی نہ جگاتی۔ اپنے ہاتھ سے پانی گرم کرتی۔ وضو کرتی اور وضو کے بعد تمام گھر کو جگا کر نماز میں مصروف ہو جاتی۔ نماز کے بعد آدھ گھنٹے قرآن مجید پڑھتی۔ بڑی بی اتنے چائے تیار کرتیں۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی چائے دیتی اور آٹھ بجے باورچی خانہ میں پہنچ جاتی، گوشت رات کا گھرا ہوا ہوتا ساڑھے نو بجے کھانا تیار کر لیتی اور دس بجے سے پہلے کھانے سے فرصت پا لیتی۔ سب کھا چکتے تو خود کھاتی اور ساڑھے دس بجے وہ بچوں کو لے ملاقات کے کمرہ میں چلی جاتی، ایک بجے تک یہاں رہتی عورتوں سے ملتی ہاجرہ کو پڑھاتی۔ ٹھیک ایک بجے یہاں سے اٹھتی، اور دوسرے کمرے میں جا کر ڈاک دیکھتی، خط پڑھتی، اور جواب لکھتی۔ دو بجے ظہر کی نماز کو کھڑی ہوتی، اور ڈھائی بجے سے چار بجے تک سینے پرونے میں مصروف رہتی

چار بجتے ہی عصر پڑھ شام کے کھانے پر متوجہ ہوتی اور مغرب تک وہاں رہتی، مغرب پڑھ چکتی تو اخبار لے کر بیٹھتی اور آٹھ بجے تک خود بھی پڑھتی اور لڑکیوں کو بھی سناتی۔ اسی اثنا میں کام کی بہت سی باتیں بچوں کو بتا جاتی۔ آٹھ بجے عشا پڑھتی۔ وظیفہ پڑھتی اور ساڑھے نو بجے دن بھر کا حساب لکھتی اور دیکھتی کہ آج کی آمدنی میں سے کس قدر صرف ہوا۔ اور کیا محفوظ رہا۔ دس ساڑھے دس بجے سو جاتی۔ نسیم ہفتہ بھر کی چھٹی آیا ہوا تھا۔ جس روز چھٹی ختم ہوئی وہ شام کے چار بجے کی گاڑی سے جانے والا تھا۔ ضرورت تھی یا نہ تھی مگر اس نے اپنی اوقات میں فرق نہ آنے دیا۔ البتہ ظہر سے فرصت پا اس کے واسطے کچھ کھانا تیار کر رہی تھی کہ نواب عماد الدولہ کی بیگم صاحب ملنے تشریف لائیں۔ میاں کے جانے میں صرف ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا۔ بہت سی باتیں اس سے طے کرنی تھیں ایک اہم معاملہ میں مشورہ کرنا تھا۔ روانگی کا انتظام کرنا تھا۔ بچھونے اسباب اور کھانا پینا سب چیزیں تیار کرنی تھیں، دیکھنی تھیں۔ غرض سر کھجانے کی فرصت نہ تھی۔ بیگم صاحب تشریف لائیں تو عجیب ٹھاٹھ سے۔ ماما، ایک چھوڑ تین تین ساتھ، باہر دو نوکر۔ ساٹھ برس کی عمر، سر پر لال چادر، جوتا پاؤں میں، سات گز پائنچوں کا ڈھیلا پاجامہ۔ ایک اِدھر ایک اُدھر، ایک کے ہاتھ میں خاصدان ایک کے صراحی۔ اللہ رسول کی امان کے ہر ہر قدم پر نعرے۔

مگر بیگم صاحب کمرے میں آ کر بیٹھیں تو آنکھیں کھل گئیں، پوتڑوں کی امیر تھیں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ پر یہاں کا سامان ہی اور تھا۔ وہ ایرانی اور کاشانی قالین اور رومی و شامی مخمل کے غالیچے تو نہ تھے۔ مگر جو کچھ تھا اس خوبصورتی سے آراستہ اور نفاست سے پیراستہ کہ کمرہ منہ سے بول رہا تھا۔ دری۔ دری پر چاندنی۔ چاندنی پر قالین۔ قالینوں پر گدے، خوبصورت کرسیاں، جہاں سلوٹ کا

نام تنکے کا پتہ نہیں، دیواروں پر نقشے، کارنس پر تصویریں، بیچ میں میز، میز پر قلم دوات کاغذ، برابر میں الماری۔ الماری میں بیش قیمت خوبصورت کتابیں، اس پر دیوارگیری۔ اس پر جہالردار رومال۔ رومال پر کلام اللہ۔

بیگم صاحب نے چاروں طرف ہکا بکا نگاہیں دوڑائیں۔ جیسا سنا تھا اس سے زیادہ سگھڑ پایا۔ مگر اضطراب کی یہ کیفیت کہ دو منٹ میں چار تقاضے، نسیم بیگم کو بلانے کے لیے۔ نسیم لاکھ مصروف تھی مگر اتنی کج خلق اور بے مروت نہ تھی کہ بیگم صاحب سے ملنے بھی نہ آتی۔ جس طرح ہو سکا آئی سلام کیا اور بیٹھی۔ بیگم صاحب نے فرمایا میں آپ کے سلیقہ اور ہنر کی تعریف مدت سے سن رہی ہوں۔ کئی دن سے ارادہ کر رہی تھی کہ آپ سے ملوں، اور آپ کو اپنے گھر لے چلوں، تاکہ میری لڑکیاں بھی آپ سے کچھ سیکھیں۔ آج ذرا فرصت ہوئی تو چلی آئی۔ آپ میرے ساتھ چلیے میری لڑکیاں آپ کی منتظر ہیں۔

نسیم۔ میں آپ کی تشریف آوری کی بیحد ممنون ہوں۔

بیگم صاحب ہاں مگر آپ جلدی چلئے میری دونوں صاحبزادیاں راہ دیکھتی ہی ہونگی

صاحبزادیوں کے کہنے پر ہاجرہ کو ہنسی آئی، مگر مسکرا کر چپ ہو گئی۔ نسیم نے کچھ دیر سکوت کے بعد کہا، میں آج مجبور ہوں۔ میں اس وقت بھی صرف آپ کے بلانے کی وجہ سے آگئی۔ ورنہ مجھے فرصت مطلق نہیں ہے۔ آج میرے شوہر باہر جا رہے ہیں اور میں اُن کے کاموں میں مصروف ہوں اگر آپ مجھے پہلے سے اطلاع دے دیتیں تو بہت اچھا ہوتا۔ میں یقیناً آپ کو آج تشریف لانے سے روک دیتی اور آپ کو ہرگز زحمت نہ ہوتی۔

بیگم صاحب اطلاع کو کیا جانیں وہ تو اتنا سنتے ہی سناٹے میں رہ گئیں پانچ روپے کی مٹھائی بیگم صاحب اپنے ساتھ لائی تھیں۔ ماما نے سینی آگے

رکھی۔ تو نسیمہ نے کہا، اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

بیگم صاحب میں صرف بچوں کے لئے لائی ہوں۔

نسیمہ۔ بچے آپ کی دعا سے جب اُن کا دل مٹھاس کو چاہتا ہے کھا لیتے ہیں۔ یہ ہمارے شہر کی ایک فضول چال ہے اور اس کے معنی دوسرے کی توہین ہیں۔ خیال تو فرمایئے اس مٹھائی کی ضرورت کیا اور میں اس کو کیوں لوں۔ ممکن ہے میری حالت مالی اس قابل نہ ہو، کہ میں اتنی مٹھائی جب آپ سے ملنے آؤں اپنے ساتھ لا سکوں۔ یا اس وقت آپ کی خاطر اس مٹھائی کے قابل کر سکوں تو مجھکو اپنے دل میں کیسی ندامت ہوگی۔

اب تو بیگم صاحب بالکل ہی جاتی رہیں، نسیمہ یہ کہکر اٹھ کھڑی ہوئی کہ گاڑی کے جانے میں صرف چالیس منٹ باقی ہیں، معاف کیجئے گا۔

بیگم صاحب اپنے دل میں برا بھلا کہتی۔ سیدھی سنجیدہ کے ہاں پہنچیں اور دل کی بھڑاس خوب نکالی جب بیگم صاحب کہہ چکیں تو سنجیدہ نے کہا، آپ نے نسیمہ کا صحیح اندازہ نہ کیا، اس نے جو کچھ کہا وہ حق بجانب تھی۔ غلطی آپ کی کہ بغیر اطلاع آپ ڈولی چڑھ جا دھمکیں۔ جان نہ پہچان خالہ بڑی سلام آخر وہ بچوں کی ماں اور میاں کی بیوی ہے۔ اس کے ساتھ بھی دنیا کی ضرورتیں ہیں۔ کیا آپ کی رائے ہے وہ تمام کام چھوڑ چھاڑ آپ کے پاس آ بیٹھتی۔ میاں کے کام نہ کرتی۔

بیگم صاحب ذرا انصاف کیجئے۔ غلطی آپ کی ہے، اگر آپ کو جانا تھا پہلے پوچھوا لیا ہوتا کہ فرصت ہے یا نہیں۔ وہ آندھی جائے یا مینہہ ایک نہ ایک سب ہی سے ملتی ہے۔ چاہے جیسی بھی ضرورت کیوں نہ ہو۔ حد یہ ہے کہ بیمار بھی ہوتی ہے تو ملاقات کے کمرے میں جا پڑتی ہے۔ آپ یا تو اس کے وقت پر جاتیں یا دریافت کر لیتیں۔

بیگم صاحب اچھا ہوا تو مٹھائی کیوں واپس کر دی۔ اس میں کیا قباحت تھی

سنجیدہ۔ اس کی بھی چنداں ضرورت نہ تھی، یہ بھی اس نے بیجا نہ کیا۔ آپ صرف ملنے گئی تھیں، یا احسان دھرنے، وہ آپ کی مٹھائی بلاوجہ کیوں لے لیتی

سنجیدہ بیگم صاحب کے ساتھ کی کھیلی ہوئی تھی خوب آڑے ہاتھوں لیا۔ اور شام کو چلتے وقت یہ کہلوا لیا کہ ہاں بی مجھ سے غلطی ہوئی، اور آئندہ ایک ہاں کیا کہیں بھی بغیر اطلاع کئے نہ جاؤں گی۔

(۲۵)

رابعہ مزاج کی تیز تو سدا ہی کی تھی وہ تو کچھ نسیمہ کا فیض صحبت تھا کچھ مجبوری ماں کو آئی موت، باپ سر پہ رہا نہیں نہ لے دے کر نانا بردار بھی تو اور سر پرست تھی تو ایک بھاوج اس کا اصول یہ کہ ہمیشہ سونے کا نوالہ کھلایا اور شیر کی نظر دیکھا جو لپکے پڑ چکے تھے وہ دب گئے اور جو عادتیں پیدا ہو چکی تھیں وہ چھوٹیں تو کیا خاک مگر ہاں کم ہو گئیں، اُفتاد جو شروع سے پڑی تھی وہ نسیمہ کے مٹائے بھی نہ مٹ سکی۔ کوارپتے تک تو لشتم پشتم گذر گئی۔ مگر شادی کے بعد وہ بیج پھل لے آئے۔ ساس نندوں کا شکوہ، دیورانی جیٹھانی کی شکایت دوسرے ہی دن شروع ہو گئی۔ جو کہیں نسیمہ بیوقوف ماؤں کی طرح حمایت کو کھڑی ہو جاتی تو شاید پندرہ ہی دن میں رابعہ کو لے سے لگتی مگر وہ خطوں کے تمام دفتر پڑھتی اور جلا دیتی اس کا اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ رابعہ میکے کی حمایت سے قطعی نا امید ہو گئی اور جب دہر کا بل بوتہ نہ رہا تو اچھی طرح سمجھ گئی کہ سسرال سے جاتی ہوں تو میکے کو بھی نصیب نہ ہو گی۔ لیکن وہ خو جو سرشت میں بیٹھ چکی تھی کہاں جاتی اور جو خیالات راسخ ہو چکے تھے کدھر غارت ہوتے، شوہر نے اپنی طرف سے دلداری میں کمی نہ کی، پوری عمر کا آدمی تجربہ کار، دو جاجو، مالدار خوب سمجھتا تھا کہ لڑکی ہے

دل لگتے ہی لگتے لگیگا اور طبیعت بہلتے ہی بہلتے بہلیگی۔ تفریح کے نت نئے اسباب فراہم اور راحت کی پوری کوششیں کرتا۔ مگر وہ تنک مزاج خاک خاطر میں لاتی۔ خواہ مخواہ بچوں کو ڈانٹنا۔ بلاوجہ نوکروں کو گھرکنا اس کا شیوہ تھا۔ بچے نا سمجھ تھے۔ چند روز میں ماں کو بھول گئے۔ اسی کو ماں سمجھتے اور ماں سمجھ کر لپٹتے۔ عقل سے کام لیتی تو ان کا ہلا لینا کوئی بڑا کام نہ تھا۔ مدت سے عمر بھر بچوں پر حکومت اور میاں پر سلطنت کرتی مگر اس کا وطیرہ یہ کہ بچے روتے رہیں اور وہ گاڑی میں بیٹھ ہوا خوری کو چلدی۔ میاں دیکھتا رہا اور وہ پان بنا اپنا کلہ گرم کر چارپائی پر جا لیٹی۔ تین ساڑھے تین برس تو چپکا دیکھتا رہا۔ مگر جب دیکھا کہ بیوی کسی طرح ٹھیک نہیں ہوتی۔ مجھ کو راحت نہ بچوں کو آرام۔ اللہ کی بندی کو فقط اپنے کام سے کام ہے۔ تو دوسرے نکاح پر آمادہ ہوا۔ نسیمہ کے کان میں یہ بھنک پہنچی تو پاؤں تلے کی زمین نکل گئی اور اس کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا کہ کھلم کھلا ندوی سے گفتگو کی۔

نسیمہ۔ سنا ہے کہ آپ سنت رسولؐ ادا کرنے کی فکر میں ہیں۔

ندوی۔ آپنے صحیح سنا لیکن آپ اس کا مضحکہ نہ اڑائیے۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو نکاح ثانی کو سنت رسول اللہ سے تعبیر کر کے دوسروں کو دھوکا دیں۔ میں اپنی ضرورت سے کرتا ہوں۔ البتہ مجھکو جو حق اسلام نے دیا ہے اس سے ضرور فائدہ اٹھاتا ہوں اور وہ بھی اس لئے کہ اس نکاح سے جو میری غرض تھی وہ پوری نہ ہوئی۔

نسیمہ۔ جہانتک مجھے معلوم ہے رابعہ بیوی ہونے کی حیثیت سے اپنے فرض اچھی طرح انجام دے رہی ہے۔ آپنے اس کے فرائض میں اپنے بچوں کی پرورش کیوں شامل کر دی۔ وہ اگر اس سے غفلت کرے یا اس کو انجام نہ دے سکے تو خود بھی بچہ ہے اور ایسی سخت سزا کی سزاوار نہیں ہے۔ جو آپنے تجویز کی اور جس سے اسکی

تمام عمر برباد ہو۔

ندوی۔ میں نکاح کے وقت ان بچوں کا باپ تھا۔ اور یہ بچے چھپے ہوئے نہ تھے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ میری بیوی کے فرائض میں انکی پرورش یقینی شامل تھی اور یہ سب سے بڑا فرض تھا۔ اس لئے باپ ہونے کی حیثیت سے میرا یہ فرض ہے کہ ان کی پرورش کا پورا سامان کروں۔ اور ایک ایسی عورت سے نکاح کروں جو ان کی بھی پرورش کر سکے۔

نسیمہ۔ آپ کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ جس لڑکی سے آپکا نکاح ہو رہا ہے وہ کواری ہے۔ اس نے دنیا نہیں دیکھی۔ اس کے پہننے اوڑھنے کے دن۔ اچھا کھانے کا وقت اور بے فکر سونے کا زمانہ ہے۔ پہلوٹھی کے بچے کی جو اپنے پیٹ کے ہوتے ہیں پرورش نانیاں دادیاں ہی کرتی ہیں۔ اور ماؤں سے صرف دودھ پلانے کا واسطہ رہتا ہے۔ نہ کہ آپ ایک لڑکی سے یہ توقع رکھیں کہ وہ آپکے اتنے بڑے بڑے بچوں کی پرورش کرے اور ماں بننے سے پہلے حقیقی ماؤں کی طرح اپنا سکھ انکے دکھ پر قربان کرے۔ آپ اس سے وہ کام لینا چاہتے ہیں۔ جسکا اہل ابھی قدرت نے بھی اس کو نہیں سمجھا۔ آپ کو کسی ایسی عورت سے نکاح کرنا چاہئے تھا جو خود بھی کئی بچوں کی ماں ہوتی۔ تاکہ دونوں کے حق برابر ہو جاتے۔ اور آپ کو بھی معلوم ہو جاتا کہ پرائے بچوں کی پرورش آسان ہے یا مشکل۔

ندوی۔ آپ جس مسئلہ پر بحث کر رہی ہیں یہ قبل از نکاح فیصلہ کرنے کا تھا میری درخواست نکاح میں بیوی کا یہ فرض شامل تھا۔ اور آپ کو انکار کرنے کا پورا اختیار۔ جب آپنے منظور فرما لیا تو کوئی وجہ نہیں کہ میری یہ غرض پوری نہ ہو اور اب میرے نکاح ثانی کی وجہ ہی میری موجودہ بیوی کے اپنے فرائض کی ادائگی میں لاپرواہی کوتاہی تساہل اور سہل انگاری۔ میں نے تین برس سے زیادہ

صبر کیا ہے اور یہ ایک عورت کے واسطے معاملہ کو سمجھ لینے کیلئے بہت کافی وقت ہے اور اس کا فرض ہے کہ وہ شوہر کو دوسرے نکاح کی ضرورت سے قطعی سبکدوش کردے۔ کوئی مرد دنیا میں ایسا بیوقوف نہ ہوگا کہ وہ بلا وجہ اپنے اخراجات کو بڑھائے اور خواہ مخواہ نئے تعلقات میں پھنسے اس لئے سوا ان چند خود غرض افراد کے جو شوقیہ نکاح ثانی کرتے ہیں۔ اور جو میری رائے میں اچھا نہیں کرتے۔ عام طور پر نکاح ثانی کی وجہ موجودہ بیوی ہوتی ہے، اگر بیوی اپنے فرائض پوری طرح انجام دے اور پھر مرد دوسرا نکاح کرے تو وہ ذمہ دار اپنے فعل کا ہوگا۔ لیکن جب وہ دیکھتا ہے کہ بیوی میری تمام ضرورتوں کے پورا کرنے میں قاصر ہے تو وہ نکاح ثانی میں حق بجانب ہے۔ اور اس کا تمام عذاب ثواب برائی بھلائی جو کچھ بھی نتیجہ ہوگا۔ بیوی کی گردن پر ہے۔

نسیمہ کا خیال تھا کہ وہ نندوئی کو دبا لیگی۔ مگر پانی مر رہا تھا، خاموش ہوگئی اور ماننا پڑا کہ مرد کے دوسرے نکاح کی ذمہ دار اگر وہ شوق یا خبط نہ ہو اسکی بیوی ہے۔ تاہم فیصلہ یہ ہوا کہ ایک سال کی مہلت اور دی جائے، اگر اس عرصہ میں رابعہ راہ راست پر نہ آگئے تو اس کے شوہر کو نکاح کا پورا حق حاصل ہے۔

(۲۶)

نسیمہ نے نندوئی کو مہلت دینے کو تو دیدی اور اپنے مقدور بھر رابعہ کو ڈانٹنے اور سمجھانے میں بھی کسر نہ کی، دبی زبان سے یہ بھی کہدیا کہ اب بھی اسی نیند سوتی رہیں تو بیوی عمر بھر سر پہ ہاتھ رکھکر رونا، اکیلی جان ہوتی تو کسی کی ٹہل کرکے پیٹ بھر لیتیں۔ بچا ساتھ دو بچے لگے جس کی دہلیز پر جاؤگی دُر دُر پھٹ پھٹ مگر رابعہ کو تو اپنے بچے گھرنے کی چڑ ہی تھی کہ وہ ٹس سے مس نہ ہوئی وہی جھک جھک اور پٹ پٹ، نسیمہ بھی کانوں میں تیل ڈال بیٹھ جاتی تو رابعہ اپنے ہاتھوں اپنا

گھر کو بھی چلی تھی، مگر وہ اس کے مزاج سے واقف، عادت سے آشنا، خصلت سے باخبر اور گنوں سے اچھی طرح مطلع تھی مہینہ میں دن تو یہ وطیرہ رکھا کہ جیسے پانچویں آئی اور بک جھک چیخ پٹ دو چار گھنٹے ہڑ بڑا کر چلدی، مگر جب یہ دیکھا کہ یہ گھی سیدھی انگلیوں نکلنے والا نہیں تو چند روز کے واسطے اپنا گھر چھوڑ بچوں کو لے یہاں آگئی۔ وہ سمجھتی تھی کہ رابعہ لاکھ بچہ ہے مگر ایسی بیوقوف نہیں کہ اتنے جھنجوڑنے پر بھی نہ چونکیگی۔ یہاں آکر دیکھا تو کم بخت کی جو بات ہے وہ نرالی جو ڈھنگ ہے وہ انوکھا، بے حیا اتنی کہ ہزار باتیں کہو ذرہ بھر اثر نہیں ڈھیٹ اس درجہ کہ لاکھ مغز کھپاؤ خاک پرواہ نہیں مگر اتنی بات ضرور تھی نہ معلوم نسیمہ کا طریق تربیت یا بچپن کا بیٹھا ہوا خوف کہ جہاں اس نے ڈانٹا اور خون خشک ہوا نسیمہ بھی اب اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ برابر کی بہن ہے جواب دے بیٹھی تو بڑائی اور بزرگی سب کرکری ہوجائے گی، جو کچھ کروں سمجھ کر اور جو کچھ کہوں دیکھکر اس نے سب سے پہلے گھر کی آراستگی پر توجہ کی، رہنے کا مکان گھر کا تو نہ تھا کرایہ ہی کا تھا، مگر پندرہ برس سے قبضہ میں تھا، غدر سے پہلے کا مکان جس میں آجتک مرمت تو درکنار کبھی سفیدے کی کرنی یا چونہ کی کوچی تک نصیب نہ ہوئی۔ کڑیاں ٹوٹی تختے پھٹے، ولسا نکلا، منڈیریں جھڑی چھت پر نظر ڈالو تو ڈر لگتا اور دیوار دیکھو تو خوف آتا

نسیمہ کے مہلت مانگنے یا تسکین دینے سے تو نندوئی بدنصیب کیا امید ہوتی۔ مگر ہاں اس کے آجانے سے کچھ ڈھارس بندھ چلی کہ شاید گھر پھر جائے۔ نسیمہ نے پہلا کام تو یہ کیا کہ گھر یہ لا اور کملا کہا، نندوئی سے کہدیا کہ آپکے بچے نئے دن جو بیمار رہتے ہیں اور بیوی ہر وقت درد سر اور نقاہت کی شکایت کرتی رہتی ہیں اس کی بڑی وجہ یہ مکان ہے سات سات گز کے جھگا دری دالان اور مگوڑی ہوا ہی چار سپاہیوں کی بھی آگنائی نہیں، دیواریں یہ قبقہہ کتا زی ہوا نام کو نہ آئے

جاڑے میں دھوپ نہیں، گرمی میں ہوا نہیں جس پر صحت کا دار و مدار ہے۔ باورچی خانہ
میں روشندان نہیں کہ دھواں باہر جا سکے۔ اس پر ستم یہ کہ کوئلے نہ لکڑیاں اُپلے
جلتے ہیں۔ یہ دھواں تو اچھی بھلی آنکھوں کو اندھا کر دے۔

نئے محلے میں نسیمہ کے آتے ہی پڑوسنوں کو عید ہو گئی۔ بارہ بجے رات تک
بچیاں اور بوڑھیاں، کنواریاں اور بیاہیاں اسکو گھیرے رہتیں اور وہ باتوں
ہی باتوں میں ان کو کام کی بیسیوں باتیں بتا جاتی۔ تعلیم نسواں کا چرچا شہر میں
اچھی طرح ہو چلا تھا۔ لڑکیوں کو نیا نیا شوق بزرگوں کی اعانت نسیمہ کی سرپرستی
باتوں ہی باتوں میں محلہ کی ایک خاصی اچھی انجمن تیار ہو گئی۔ ہر ہفتہ جمعہ کی نماز
کے بعد نسیمہ بیگم کی ایک تقریر ہوتی اور رابعہ کی درستی کے ضمن میں محلہ بھر کی عورتیں
اس سے فائدہ اُٹھاتیں۔ بیویوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ آ موجود ہوتے۔ پہلے نماز
ہوتی اس کے بعد نسیمہ کا لکچر۔ اس انجمن میں سب سے پہلا لکچر یہ تھا۔

بہنو! تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہماری زندگی کا دار و مدار صرف
تین چیزوں پر ہے۔ ہوا، پانی اور غذا۔ ہوا اور پانی تو قدرتی انعام
ہیں اور ان پر میں اسوقت بحث نہیں کرتی۔ لیکن غذا ہمارے اختیار
کی بات ہے اور چونکہ ہمارے تمدن میں اور ایک ہمارے ہی
تمدن میں کیا ہر ملک و ہر قوم میں غذا کا تعلق عورتوں ہی سے
ہے اس لئے ہر لڑکی کو غذا کے متعلق پوری کیفیت نہیں تو تھوڑا
سا حال معلوم ہونا چاہئے کہ غذا کن کن چیزوں سے ملی ہوئی ہے
یہ ہمارے جسم پر کیا اثر کرے گی۔ کس وقت کیا غذا مفید اور کیا مضر ہو سکتی
ہے۔ ایک ڈاکٹر کا قول ہے کہ جب غذا خریدتے وقت ہم احتیاط
کرتے ہیں کہ آٹا کم تو نہیں یا گھی کی تول اڑتی ہوئی تو نہیں تو

ضرور ہم کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ غذا ہماری زندگی جیسی بیش قیمت
چیز پر کیا اثر کرے گی۔ بہت سی جانیں اسی لاپروائی سے ضائع ہوتی
ہیں، اور اکثر بیویاں اُن کے شوہر اور بچے صرف اسی لئے ہمیشہ بیمار
رہتے ہیں۔ جیسے بچاری بوا رابعہ کہ محض اسی وجہ سے خود علیل
میاں بیمار بچے مریض۔ ہمارے جسم میں جو اعضا و عناصر ہیں وہ
جسم کی پرورش کرتے ہیں اور انکا عمر غذا سے ہے، غذا میں نباتات
گوشت اور غلہ وغیرہ ہے۔ دو چیزیں میں اس وقت تم کو بتاتی ہوں
البومین اور فیبرین، البومین سیال اور ثقیل دونوں صورتوں میں
ہوتا ہے یہ انڈے میں اناج کے بیجوں میں اور گوشت میں ہوتا ہے
فیبرین بھی اسی قسم کی شے ہے، جو ان ہی چیزوں میں ہوتا ہے مگر وہ اعلیٰ
قسم کی شے ہے، گائے کے گوشت کا شوربا ابالتے وقت اگر دھیمی آنچ
کرو تو جو ریشے چھوٹ جائیں گے وہ خالص فیبرین ہوں گے، اخروٹ
بادام کاجو وغیرہ میں البومین ثقیل صورت میں ہے لیکن خون
اور یخنی وغیرہ میں سیال صورت میں۔ ہم زیادہ تر اناج کھاتے
ہیں لیکن گوشت غلہ سے زیادہ مقوی ہے۔ کیونکہ اس کے فیبرین
خون میں ترقی کرتا ہے اور نسوں کو طاقت دیتا ہے غلہ سے
خون ہلکا بنتا ہے اور جسم میں بمقابلہ گوشت کے کم حرارت پیدا
کرتا ہے اب تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ غذا جو گوشت
اور اناج سے ملکر تیار ہو۔ جیسے روٹی سالن پلاؤ وغیرہ، یہ جسم
کی پرورش میں بہت زیادہ مددگار ہوگی، تم کو یہ دیکھ کر تعجب ہوگا
یا کبھی تم انگریزی سوسائٹی میں ملو گی تو دیکھو گی کہ وہ لوگ اناج کم کھاتے

ہیں اور گوشت زیادہ مگر تم سے زیادہ تندرست رہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گوشت میں جو البومین ہوتا ہے وہ دوسری غذا سے ملکر عرق بنتا ہے اور بہت آسانی سے ہضم ہو جاتا ہے اور خون پر اچھا اثر کرتا ہے۔ نباتات وغیرہ میں ہاضمہ کو مدد دینے والی چیزیں زیادہ ہیں۔ مولی اور گوبی وغیرہ میں نمک کا مادہ بہت ہوتا ہے۔ بندہ گوبی میں تو چونہ بھی ہوتا ہے جو معدہ کے لئے مفید ہے۔ جن بچوں کو بعض دفعہ سوء ہضمی کی شکایت ہوتی ہے ان کے لئے چونہ کا نتھرا ہوا پانی بہت مفید ہے۔ تھوڑا سا چونہ ایک مٹی کے برتن میں ڈالدو اور پانی بھردو۔ چونہ اندر بیٹھ جائیگا اور پانی اوپر رہے گا۔ یہ نتھرا ہوا پانی ہاضمہ کو بہت اچھا ہے جس کو لائم واٹر بھی کہتے ہیں اور جو ڈاکٹروں یا دکانداروں سے بھی نتھرا نتھرایا مل سکتا ہے۔

میں اوپر البومین اور فیبرین کا ذکر کر آئی ہوں۔ گوشت میں خصوصاً یہی دو چیزیں ہوتی ہیں۔ اس لئے گوشت خوار جانوروں کی نسبت جو جانور گوشت نہیں کھاتے اُن کا گوشت ہلکا ہوتا ہے اور بہت آسانی سے ہضم ہو جاتا ہے۔ ہمارے پاک مذہب نے ہماری معمولی باتوں میں بڑے بڑے محلے کر دیئے ہیں بشرطیکہ غور سے دیکھو اسی وجہ سے ہمارے واسطے ان جانوروں کا گوشت حلال ہے جو گوشت نہیں کھاتے۔ درندے کا گوشت حرام ہے گوشت اناج کے مقابلہ میں جلد ہضم ہوتا ہے۔ بالخصوص مچھلی کیونکہ اسمیں البومین بہت زیادہ ہوتا ہے اور اسی لئے اسکا گوشت

سفید ہوتا ہے۔ گوشت میں جس قدر البومین زیادہ ہوگا اسی قدر فیبرین اور چربی کم ہوگی۔ اور جس قدر فیبرین یا چربی کم ہوگی اسی قدر جلد ہضم ہوگا۔ کبوتر اور مرغی کا گوشت بکرے اور مینڈھے سے جلد ہضم ہونے والا ہے۔ لیکن بطخ کا گوشت اس لئے کہ اس میں فیبرین زیادہ ہوتا ہے ثقیل ہے۔ اور دیر میں ہضم ہوتا ہے۔ کلیجی بھیجا یا سینہ کا گوشت آسانی سے ہضم نہیں ہوتا کیونکہ اس میں فیبرین زیادہ ہوتا ہے۔ میں اس کے ساتھ ہی تم سے یہ بھی کہوں گی کہ غذا جس قدر سادہ ہو اسی قدر بہتر ہے۔ کیونکہ امراض کی جڑ صرف غذا کے تکلفات ہی معلوم ہوتے ہیں۔ ورنہ پہلے زمانہ میں جب سادہ غذائیں اور معمولی کھانے ہوتے تھے نہ یہ مرض تھے نہ یہ شکائتیں۔ انکی عمریں بھی ہم سے زیادہ ہوتی تھیں اور ان کا زمانہ بیماری بھی بہت کم۔ یونان اور روم کے لوگ اپنے وقت میں بہت سادی زندگی بسر کر رہے تھے۔ لیکن ان کے زمانہ میں ان کے پڑوس میں تکلفات شروع ہو گئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یونان اور روم والے جسمانی اور ذہنی طاقتوں میں ہمیشہ اُن سے فائق رہے۔ خیر یہ ایک جملہ معترضہ تھا۔ بحث غذا کے متعلق تھی کہنا یہ تھا جہانتک ممکن ہو گرم کھانا چاہیئے۔ ٹھنڈا کھانا اتنا مفید نہیں ہوتا۔ جتنا گرم کیونکہ غذا میں چربی کا مادہ ہمیشہ زیادہ ہوتا ہے اگر وہ گرم اور سیال ہو تو ظاہر ہے کہ ہاضمہ کے لئے بہت آسانی ہوگی۔ اگر وہ ٹھنڈی ہوگی تو معدہ کی حرارت جو غذا کو ہضم کرتی ہے چربی کی ٹھنڈک سے شکست ہو جائیگی۔ بعض جگہ میں نے دیکھا ہے

کہ کھانے کے بعد میوہ کھایا جاتا ہے، مثلاً اخروٹ، بادام، کاجو، کھوپرا
کشمش وغیرہ، لیکن یہ اصول صحت کے خلاف ہے کیونکہ یہ چیزیں
ہاضمہ کے لئے ثقیل ہیں، اور جب غذا خود ہی ہضم نہیں ہوئی۔
تو میوہ جاکر اور اُلٹا ہضم میں خلل ڈالیں گی۔ ہاں اگر پان کی طرح
اُن کے کھانے کی اشد ضرورت ہو اور وہ بھی اس لئے کہ منہ
صاف ہو جائے تو بہتر ہوگا، کہ یہ چیزیں نمک کے ساتھ کھائی
جائیں تاکہ جلد ہضم ہو سکیں۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد کچھ دیر
آرام اور رات کا کھانا کھانے کے بعد تھوڑی سی چہل قدمی
صحت کے لئے بہت اچھی ہے، کیونکہ کھانے کے بعد اگر محنت کی
تو معدہ کا خون دوسری جانب منتقل ہو جائیگا اور ہضم میں
دقت ہوگی۔ میں اس مضمون کو اگر خدا کو منظور رہا تو آئندہ
جمعہ میں ختم کرونگی۔ لیکن آج بھی اس کے ختم سے پہلے میں تم کو
کچھ کام کی باتیں غذا کے متعلق بتانا چاہتی ہوں۔

جو عورتیں بچوں کو دودھ پلا رہی ہیں اُن کو پنیر بہت کم
کھانا چاہیئے بلکہ اگر ممکن ہو تو قطعی نہ کھائیں کیونکہ ان
دونوں کا اثر خون پر اس قسم کا ہوتا ہے کہ وہ دودھ کی پیدائش
میں کمی کرے، گوشت کو اگر معمولی وقت سے زیادہ دیر رکھنا
منظور ہو تو پکا کر اس کو اس طرح دبائیں کہ جو کچھ اس میں پانی کا
عرق موجود ہو، نکل جائے اور پھر جست کا ایک ڈبہ لیکر اس کی ہوا نکال دیں
اور گوشت بھر کر اسطرح بند کریں کہ ہوا کا گذر وہاں نہ ہونے پائے۔ اسطرح بند
کرکے جس وقت اس ڈبہ کو کھولیں گے۔ گوشت بالکل تازہ نکلے گا۔

اسی طرح انڈوں کو زیادہ دن رکھنا منظور ہو، تو ہوا جو مسامات
میں داخل ہوتی ہے اس کو بند کر دو۔ کیونکہ وہی انڈے کو گندا
کرتی ہے اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ اگر تیل ملدو تو مسامات بند
ہو جائیں گے۔ لیکن چربی فوراً مسامات کو بند کر دیتی ہے بچوں کو
بعض دفعہ دست اور قے شروع ہو جاتی ہے، دودھ پیتے بچوں کو اس
قسم کی تکلیف اکثر ہوتی ہے، اس کی وجہ محض پیٹ میں بادی چیز کا
موجود ہونا ہوتا ہے جائفل کو باریک پیسکر اس میں میگنیشیا اور اس
کا ملنا آسان ہو تو ذرا سی کہربا ملا کر سفوف دینا بہت مفید ثابت ہوگا۔

(۴۷)

تقریر ختم ہوتے ہی چاروں طرف سے نسیمہ بیگم کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے
گئے، اور ہر طرف سے آفرین مرحبا کی آوازیں آئیں، کچھ ایسا اثر ہوا کہ آٹھ دن
کاٹنے بیویوں کو آٹھ برس ہو گئے، جہاں دیکھو یہی چرچا اور جدھر سنو یہی مذکور ہر
جو ہے وہ جمعہ کا منتظر، خیر خدا خدا کرکے جمعہ آیا تو عورتوں کو خاصی اچھی عید ہو گئی
گیارہ ہی بجے سے کھانے سے فارغ ہو ہوا ڈولیاں اُترنے لگیں۔ ڈھائی بجے
نماز سے فراغت پا نسیمہ بیگم پھر کھڑی ہوئیں اور کہا۔

بہنو! بعض باتیں کھانے کے متعلق ہر بیوی کو خوب ذہن نشین
کر لینی چاہئیں۔ مثلاً دست آنے والے بچوں کو خشکہ مفید ہے
کھانے کے برتن جہاں تک ممکن ہو چینی، کانچ کے ہوں، بالکل کچے
کی اتری روٹی جو اکثر لوگ کھاتے ہیں صحت کو مفید نہیں۔ جن
بیویوں کو بیکاری کے سوا کوئی کام نہیں۔ ان میں چربی زیادہ پیدا
ہو جاتی ہے جو صحت کو مضر ہے۔ اس کی مثال اسطرح سمجھو کہ اگر تم

مرغیاں پالو اور اُن کو چالیس روز بند رکھو، باہر نہ پھرنے دو، بیس دانہ پانی دیدو تو وہ فربہ ہو جائیں گی، اور چربی بڑھ جائے گی۔ اب میں تم سے دودھ کے متعلق کچھ کہتی ہوں، کیونکہ یہ بھی ہماری غذا کا بڑا جزو ہے۔ سب سے پہلے میں تم کو عورت کے دودھ کا حال بتاتی ہوں۔ اس میں ایک چیز کیسائین ہوتی ہے دوسری شکر اور مسکہ کی صورت میں چربی۔ گائے کے دودھ میں کیسائین عورت کے دودھ سے زیادہ۔ لیکن شکر کا حصہ کم ہوتا ہے۔ اس لئے گائے کے دودھ میں چونکہ کیسائین زیادہ ہوتا ہے، وہ بادلوں اور بجلی کے وقت جلد خراب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس وقت ہوا میں اوزون پیدا ہو جاتا ہے اور یہ اوزون بہت ہی تیز آکسیجن ہوا ہے اور یہ ہوا خود نہایت ترش ہے۔ جس کی وجہ سے دودھ میں لاکٹک نمک کا مادہ بنجاتا ہے۔ اس لئے بہتر صورت یہ ہے کہ دودھ کبھی ایسی حالت میں کچا نہ رکھا جائے۔ کیونکہ جوش دینے سے جو آکسیجن اس میں ہو وہ مادہ فوراً جل جاتا ہے۔ یہ بھی سمجھ لو کہ گائے کا دودھ بچوں یا کمزور معدہ والوں کو موافق نہیں ہوتا کیونکہ اس میں جیسا میں نے اوپر بیان کیا مسکہ ہوتا ہے اور بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اگر بھینس کا دودھ میسر آسکے تو گائے کے دودھ میں سے بالائی کا حصہ نکال کر دینا بہتر ہوگا۔ دودھ کو اگر یہ اندیشہ ہو، کہ خراب ہو جائیگا، تو ہم اس طرح محفوظ رکھ سکتے ہیں کہ سیر بھر دودھ میں دس گرین کاربونیٹ آف سوڈا ملا دیں، جہاں تک میں خیال کرتی ہوں یہ دودھ آٹھ دس روز خراب نہ ہوگا۔ شیشہ کے

برتن میں دودھ رکھنے سے بعض دفعہ اِدھر اُدھر کونوں میں بالائی جم جاتی ہے۔ لیکن یہ ہرگز نہ کھانی چاہئے۔ کیونکہ اس میں نمک کا مادہ ہوتا ہے اور شیشہ سے ملکر بڑھ جاتا ہے۔ دوران حمل میں بعض عورتوں کو صفرے کا زور ہوتا ہے، قے ہوتی ہے، چکر آتے ہیں جی متلاتا ہے۔ اس کا علاج سب سے بہتر یہ ثابت ہوا ہے کہ پانی کے آدھے گلاس میں آدھا چمچہ خاک کیا ہوا چونہ یا ایک چمچہ مگنیشیا ڈال کر پی لیں، اس تکلیف کے وقت تمام غذاؤں سے بہتر چاول ہے۔

ایک اور بھی علاج اچھا ثابت ہوا ہے کہ کاربونیٹ آف سوڈا دس گرین اسکا سفوف دن میں تین مرتبہ استعمال کریں۔ تھوڑے پانی کے ساتھ کثرت سے چائے کا استعمال۔ یوں تو سب کے ہی مضر ہے لیکن حاملہ کو اور زیادہ، ہاں ایک دو دفعہ پینے کا مضائقہ نہیں کیونکہ چا معدہ کی قوت کو کمزور کرتی ہے۔

اب میں تم سے کچھ تمہارے لباس کے متعلق کہتی ہوں، گرم ہوا میں چکنے اور صاف کپڑے کا لباس صحت کے لئے ہمیشہ مفید ہوگا تنگ لباس کے مقابلہ میں ڈھیلا ڈھالا لباس زیادہ گرم ہوتا ہے حالانکہ سمجھا یہ جاتا ہے کہ تنگ زیادہ گرم ہوگا۔ کیونکہ ڈھیلے کپڑوں میں گرم ہوا کی تہ جم جاتی ہے۔ تنگ ہو تو اندر نہیں آنے پاتی بعض بیویاں جاڑوں میں یہ غلطی کرتی ہیں کہ اندر کمرے میں گرم لباس پہنے یا کوئی کپڑا اوڑھے بیٹھی ہیں اور باہر جانے کی ضرورت ہوئی تو فوراً اٹھیں اور چلی گئیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیرونی سرد ہوا فوراً جسم میں داخل ہو کر بیمار ڈالدیتی ہے۔ اس کی ہمیشہ احتیاط

رکھنی چاہیئے یوں تو بہت سی چیزیں ہیں جو سردی کی حفاظت کر سکتی ہیں، لیکن سردی لگنے کا اصل مقام پیٹ ہوتا ہے اور سب سے زیادہ اس کی حفاظت ضروری ہے۔ فلالین اس کام کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی ہے اور جاڑوں میں پیٹ کا اس سے ڈھکا رہنا اچھا ہے۔ کیونکہ وہ ہوا کو جذب کر لیتی ہے اور اندر داخل نہیں ہونے دیتی، جس کی وجہ سے نزلہ اور کھانسی پیدا ہوتے ہیں۔ جسم کے کسی حصہ میں اس قدر پسینہ نہیں نکلتا جس قدر پاؤں سے۔ اس لیئے وہ جس قدر جلد نکلتا ہے اتنا ہی جلد خشک ہونا چاہیئے اس لیئے بجائے سوتی موزوں کے اونی موزے مفید ہونگے۔ کیونکہ جسم بھر میں پسینہ کو بہا دینے والے پاؤں ہیں۔ جتنا انکے مسامات کا انتظام ہوگا اتنا ہی پسینہ نکلے گا اس لئے جہانتک ممکن ہو، پاؤں میں موزے زیادہ پہننا صحت کو مفید ہیں، میں نے ابھی تنگ لباس کا ذکر کیا تھا یہ صحت کے واسطے مضر چیز ہے، کیونکہ یہ دوران خون کو روکتا، اور تنفس کے فعل کو بند کر دیتا ہے اور اس سے طرح طرح کے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ زیادہ کپڑے پہننا بھی مضر ہے کیونکہ اگر اس سے پسینہ زیادہ آیا تو جسم ناتوان ہو جائے گا، مناسب ہوگا کہ آج ہی ہوا کے متعلق بھی اپنی عزیز بہنوں کو کچھ بتاؤں۔

کیونکہ ہماری زندگی کا دارومدار اسی پر ہے بہنو اور بیٹیو اسمیں دو عنصر ہوتے ہیں دونوں یاد رکھنا۔ ایکا نام آکسیجن ہے جسکا میں اوپر ذکر کر آئی ہوں دوسرے کا نام نیٹروجن ہے یوں تو اور بہت سے اجزا

ہیں، مثلاً پانی، کاربانک ایسڈ گیس وغیرہ، مگر یہ دو بڑے جزو ہیں۔ ہوا ہمارے خون کو آکسیجن پہنچاتی ہے۔ جس سے ہم زندہ رہتے ہیں یوں سمجھو ہمارے ہر سانس میں آکسیجن اندر داخل ہوتی ہے، اور ہر سانس کے ساتھ جو باہر آتا ہے کاربانک ایسڈ گیس نکلتی ہے ہم جو کچھ کھاتے ہیں اسکا معدہ میں دودھ کی طرح عرق بنتا ہے۔ یہ عرق دوران خون کے ذریعہ پھیپھڑے میں سے جاتا ہے۔ سانس سے جو ہوا اندر پہنچتی ہے یہی آکسیجن ہے۔ وہ اس عرق کو سرخ رنگ کا بنا دیتی ہے اور خراب ہوا کو باہر کے سانس کے ذریعے نکال دیتی ہے، جہاں جگہ کم ہو، اور آدمی زیادہ۔ وہاں کی ہوا اسی وجہ سے خراب ہو جاتی ہے اور مرض شروع ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ہر شخص اپنے سانس سے آکسیجن کو کم کرتا ہے اور کاربن سے ہوا کو بھر دیتا ہے اور جب آکسیجن نہ ہو، اور پھر کاربن پیٹ میں داخل ہو تو ظاہر ہے کہ کیسا برا اثر ہوگا۔ اسی لیے میلوں تماشوں میں آدمیوں کی کثرت کے موقع پر یہ احتیاط کیجاتی ہے۔ مکانوں میں روشندان بھی اسی لیئے رکھے جاتے ہیں کہ دھوئیں کے ساتھ خراب ہوا کو باہر نکال دیں۔ گھر میں ضرور اس اصول کے خیال سے پھل پھلواری کے درخت گملے پودے وغیرہ بہت مفید ہیں، کیونکہ انکی پرورش کاربن سے ہوتی ہے۔ اور اس ہوا کو وہ فوراً جذب کر لیتے ہیں۔

کیچڑ یا سڑی ہوئی چیزوں میں کاربن کا مادہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیئے گھر میں اگر ایسی چیزیں ہوں تو انکو فوراً دور کر دینا چاہیئے تاکہ کاربن اچھی ہوا کو بھی ملکر خراب کر دے

انیڈنا ختم ہوا۔ نسیمہ نے پہلے ہی دن نئے مکان میں جاکر چاروں طرف سپیدی کرائی، تاکہ کسی قسم کے مرض متعدی کا اثر موجود ہو تو جاتا رہے۔ خوب اچھی طرح گندک روشن کی، لوبان جلایا کہ ہوا صاف ہوجائے۔ اس کے بعد رابعہ کے سوتیلے بچوں کو نہلا دُھلا کپڑے بدلوائے، اپنے ساتھ سلاتی، اپنے ہاتھ سے اُٹھاتی ذرا کھانے میں دیر ہوئی اور وہ سب کام چھوڑ چھاڑ خود باورچی خانہ میں جا پہنچی۔ بھاوج کا یہ رنگ دیکھکر کس طرح ممکن تھا کہ رابعہ الگ تھلگ رہتی۔ چند ہی روز میں بھاوج کی دیکھا دیکھی وہ خود بھی بچوں سے لپٹنے لگی۔ جس گھر میں کبھی مہینوں چاندنی نہ بدلی جائے وہاں یہ کینچلی بدلی گئی کہ دونوں دالانوں میں اجلا صاف شفاف بچھونا، دھبہ نہ چکتا، پلنگ بچھے، بچھونا ہوا، دونو وقت جھاڑو علی الصباح میز کرسیوں کی صفائی۔ نندوئی صاحب کی بھی آنکھیں کھل گئیں وہی بیوی جو دن کے نو بجے پلنگ سے اُٹھتی، نماز کے وقت بچوں کا ہاتھ منہ دھلاتی اور چا پلاتی۔ انجمن کا سب سے پہلا کام بی رابعہ کی صلاح تھی جب نسیمہ کو رابعہ کی طرف سے پورا اطمینان ہوا، اور نندوئی کو بھی مطمئن اور بشاش دیکھا تو ایک جمعہ کو اس نے اپنی تقریر اس طرح شروع کی۔

میں اپنی پیاری بہنوں سے آج جدا ہوتی ہوں، مجھکو دو مہینے سے زیادہ اس محلہ میں رہتے ہوگئے گھر کے تمام کام کاج چوپٹ پڑے ہیں، بچوں کی تعلیم کا حرج ہو رہا ہے۔ لڑکیوں کے جو اوقات مقرر تھے اُن میں فرق پڑ رہا ہے۔ میں اپنی عزیز رابعہ کی ممنون ہوں اور تم سب بہنوں کے سامنے ان کے احسان کا اقرار کرتی ہوں کہ اُنہوں نے اپنی شرافت سے کام لیکر میری عزت بڑھائی میری درخواست کو منظور کیا اور اپنے گھر کو سنبھال لیا۔ اور مجھے امید

میں نے پچھلے جمعہ کو اپنی تقریر ختم کرنے سے پہلے تم کو کچھ کام کی باتیں بتائی تھیں۔ اس لئے آج بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تم سے ویسی ہی کچھ باتیں کہوں۔

اگر تمہارے گھر میں پھولوں کے پودے ہوں، اور پھول خود بخود سکڑ جائیں تو سمجھنا کہ بارش ہونے والی ہے۔

اگر مرغ بیوقت اذان دے، زیادہ بیچین ہو، تو بھی مینہہ برسنے کا احتمال ہے۔ اسی طرح اگر چڑیاں چوں چوں کریں اور بھاگتی پھریں تو غالباً مینہہ برسیگا۔ بطخیں یا ہنس تالابوں میں جا کر اگر اپنی چونچ سے پانی اچھالیں تو برسات شروع ہوگی۔

مکڑیاں اگر نظر آئیں اور چھپنے کی کوشش کریں تو سمجھو کہ برسات آگئی۔ مرغیاں اگر مٹی کھود کر اس میں بیٹھنا شروع کریں تو یہ بھی برسات کی علامت ہے۔

یہ جو کچھ میں نے کہا پیشین گوئی نہیں بلکہ بارش کا اثر ہوا پر ہے۔ اور جانور انسان سے بہت زیادہ ہوا کو پہچانتے ہیں اور اس کے اثر سے واقف ہیں۔

حد یہ ہے کہ چیونٹی بھی بارش کی ہوا کو ہم سے بہتر سمجھ سکتی ہے جب دیکھو چیونٹیاں کثرت سے انڈے بلوں میں لیجا رہی ہیں تو سمجھ لو کہ بارش ہونے والی ہے۔

(۲۸)

رابعہ کیسی ہی مگری کیوں نہ تھی، مگر نسیمہ کے گھر میں قدم دھرتے ہی وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ شامت آئی اور بری طرح آئی، وہ آرام طلبی اور بیفکری کا

ہے کہ اسی طرح یہ ہمیشہ اپنے بزرگوں کی آبرو کا لحاظ رکھیں گی اور کسی کو شکایت کا موقع نہ دیں گی۔ بوا رابعہ بیگم! ہم مسلمان ہیں اور صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے، جو سب سے پہلے عورت کی حمایت کو اُٹھا۔ ورنہ دنیا نے تو عورت کو جانور سے بدتر بنا دیا تھا اجتک بھی تم بعض قوموں میں بیوی کو لونڈی اور ماما سے بدتر پاؤ گی وہ مرد کی پرستش کرنے والی ہے اور اس کی زندگی کا مقصد صرف یہی ہے کہ وہ شوہر میں فنا ہو جائے۔ لیکن ہمارا سچا مذہب ہمکو میاں بی بی کے تعلقات میں وہی تعلیم دے رہا ہے، جو ہماری زندگی کے واسطے مفید و کارآمد ہے۔ شوہر ہمارا خدا ہے نہ رسول، وہ ہمارا معاون اور ہم اس کے مددگار۔ لیکن ہم جیسی بیویاں اپنے مذہب کو بدنام کرتی ہیں۔ اور دوسروں کو اس پر ہنسواتی ہیں۔ مجھے خوب اچھی طرح یاد ہے۔ جب سلیمہ بیگم کے شوہر نے دوسرا نکاح کر لیا ہے۔ اور اس لئے کیا کہ وہ سمجھاتے سمجھاتے تھک گئے مگر اس نیک بخت نے مطلق شوہر کی پرواہ نہ کی۔ آٹھ دن کے واسطے میکہ آئی اور آٹھ مہینے میں گئی تو اس کی آنکھوں میں دنیا اندھیر تھی۔ بس جوزف نے میرے سامنے جب سلیمہ کی ہمدردی کی تو کھلم کھلا کہدیا کہ کیا کریں، یہ سلوک تمہارے مذہب نے تمہارے ساتھ کیا۔ غور کرو، کتنا بڑا زبردست حملہ اسلام پر ہے۔ قصور خود سلیمہ کا تھا کہ وہ شوہر بدنصیب کے دوسرے نکاح کی وجہ ہوئی اور اعتراض مذہب پر ہوا۔ ہم کو خدا کا لاکھ لاکھ شکرگزار ہونا چاہئیے کہ ایسا دین ہمکو ملا۔ جس میں ہمارے حقوق کی پوری حفاظت ہوئی۔ ہم اپنے مال کے مالک، اپنی مرضی کے

مختار اور اپنے خدا کی مخلوق ہیں۔ لیکن افسوس ہے ہمارے حال پر اگر ہماری وجہ سے مردوں کو ایسی تکلیف پہنچے کہ وہ عقد ثانی یا طلاق پر مجبور ہوں۔ اسلام نے ہمکو سب کچھ دیا۔ باپ کے ہاں ترکہ دیا ماں کے ہاں حصہ دیا۔ شوہر کے ہاں ورثہ دیا سب سے بڑھ کر مہر دیا۔ اسکا بدلہ یہ کہ ہم مردوں کے حق کو جو وہ شرعاً حاصل کریں، دوسروں کی نگاہ میں ذلیل کریں یقیناً تعدد ازدواج کی وجہ ہمیشہ موجودہ بیوی ہوتی ہے مگر لوگ اس کا مضحکہ اُڑاتے ہیں اور اس بدبخت کو قابل ہمدردی سمجھتے ہیں۔ اس نے اگر اپنے فرائض کے ادا کرنے میں غفلت کی ہے اور یہ وجہ عقد ثانی کی ہوئی تو بتاؤ کیا گناہ ہوا اور کیوں وہ ایک بیکار زندگی بسر کرتا۔ رابعہ بیگم مجھکو تمہاری قبر میں سونا ہے نہ تمہیں میری مگر زندگی اور زندگی کے اعمال و افعال کا جواب تم کو اور مجھکو ضرور دونو کو دینا ہے اسلام نے ہم کو ہر قسم کی آسائش اور ہر طرح کا آرام دیا ہے غور کرو، اور سوچو فرماتے ہیں وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون یعنی انسان اور جن سب کو عبادت کے واسطے پیدا کیا ہے تو کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم سوا عبادت کے کچھ کریں ہی نہیں۔ نہیں اسلام ہم سے یہ توقع نہیں کر سکتا بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارا ہر فعل جو معصیت نہ ہو عبادت ہے۔ ہم بچوں کا منہ دھلائیں عبادت، شوہر کی روٹی پکائیں عبادت۔ گھر کی جھاڑو دیں عبادت، اپنے کپڑے بدلیں عبادت۔ غرض کام اپنا اور ثواب مفت کا۔ کیسی خوبیوں کا دین اور کیسی بھلائیوں کا مذہب ہے۔ یہاں کی پر لطف زندگی عبادت اور

وہاں کا اکرام مفت کی عنایت، جو بیویاں اپنی غفلت اور تمکنت میں شوہروں کی ناراضامندی سے زندگی تباہ کر رہی ہیں وہ یہاں تو خیر ہزار دقت و مصیبت سے ان پورے کریں ہی گی مگر جب وہ وقت آیا کہ روح نے عالم بالا کو پرواز کیا، تو بتاؤ کیا گذرے گی فرماتے ہیں

اور ہیں عمل بُرے تو ہوئی عاقبت خراب   ایذائیں طرح طرح کی اقسام کے عذاب
اور سب سے زیادہ خالق کونین کا عتاب   گر پوچھنے پہ آئے تو کیا دیں گے جواب

حق کو جو ناپسند ہو تف ایسے کام پر
مالک ہی خوش نہیں ہو تو لعنت غلام پر

مختصر یہ کہ نہ ادہر کے رہے نہ اُدہر کے خدا ایسی زندگی سے سب کو بچائے اور اپنے حبیب کے طفیل سے ہم کو وہ توفیق دے کہ ہم نیک بیویوں کا ایسا نمونہ ہوں، کہ اپنے پاک مذہب کو معراج کمال پر پہنچا دیں۔

نسیمہ بیگم کی تقریر ختم ہوتے ہی بیویوں نے غل مچایا کہ ابھی ہم آپ کو نہ جانے دیں گے اگر آپ کا ارادہ مصمم ہو گیا ہے تو براہ کرم ایک جمعہ اور تقریر فرمائے تاکہ انجمن آپ کو شکریہ کے ساتھ رخصت کرے اور آپ کے احسانات کا اعتراف کرے۔

(۲۹)

نسیمہ کو جانے کی جلدی تو بہت تھی، مگر اس قدر زیادہ اصرار سے اس کو ایک جمعہ اور ٹھہرنا پڑا جمعہ آیا، تو عورتوں کا وہ انبوہ ہوا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ ملی۔ یہ آخری تقریر تھی جس کو نسیمہ نے ان الفاظ میں ادا کیا۔

مجھکو عورتوں کے فرائض میں سب سے زیادہ ذمہ داری کا کام بچوں کی پرورش معلوم ہوتا ہے اس لئے آج اسی پر بحث کرتی ہوں بچوں کی پرورش گڑیا کا کھیل نہیں، ایک ایسی ذمہ داری ہے کہ اگر اس میں ذرہ بھر غفلت کی جائے تو خاندان کے خاندان اور قوموں کی قومیں تباہ ہو جائیں، مسلمانوں کی حالت جو کچھ اس وقت ہے انکی بدنصیبی اُن کا افلاس، چال چلن کی خرابی، بد اطواری نالائقی جہالت وغیرہ یہ سب اسی غفلت کا نتیجہ ہے کیا تم نہیں سمجھ سکتیں کہ بچے جو کچھ ہماری گودوں میں سیکھیں گے وہی آیندہ چلکر اُن کا طرز عمل ہوگا، اور جو خیالات اس وقت اُنکے دماغ میں پیدا ہو جائینگے وہ ایسی عادتیں ہونگی، کہ صرف موت اُن کو چھڑا سکتی ہے۔ پس ہر بچہ کی نالائقی اس کی ضد اور اس کے مکر و فریب کی ذمہ دار اس کی ذات نہیں بلکہ اس کی ماں ہے جس نے گود میں اس کو یہ تمام باتیں سکھا دیں، وہ اگر احتیاط کرتی اور اس کی طبیعت کو ان عیوب و نقائص سے پاک رکھنے کی کوشش کرتی، تو اس کا لال لالوں کا لال ہوتا۔ ہم جس وقت کسی نیک سعادتمند اور غریب ہمدرد بچہ کو دیکھتے ہیں تو کیسا ہمارا جی خوش ہوتا ہے اور بے اختیار دل سے دعا نکلتی ہے کہ اس کی ماں کا کلیجہ ہمیشہ ٹھنڈا رہے۔ لیکن جس وقت اس کے برخلاف کسی نالائق جھوٹے شریر بے ڈھنگے بدتمیز بچے کو دیکھتے ہیں تو فوراً یہ کہتے ہیں کہ کیسی پھوہڑ عورت ہے جس نے ایسا بچہ اُٹھایا تم نے یہ مثل تو سنی ہوگی، کہ سگھڑ کی جھاڑو نہ دے، پھوہڑ کا بچہ نہ لے اس کے کیا معنی ہیں، یہی کہ سگھڑ کی سمجھ میں دوسرے کی جھاڑو ہرگز نہ لے گی، وہ جب تک اپنی مرضی سے صفائی نہ کرے گی اس کو صبر نہ آئیگا اور پھوہڑ کا بچہ گود میں لینا اپنے کپڑوں کو خراب کرنا ہے وہ

کیچڑ میں تھوڑا تھوڑا مٹی میں سنا بد تمیز ہوگا، تو خوب سمجھ لو، کہ اگر
ہم اپنے بچوں کی پرورش اچھی طرح کریں گے، تو ایک ہمارا ہی جی خوش نہ ہوگا
بلکہ جو دیکھے گا وہ تعریف کریگا، اور خود ہمارے بچے اپنی زندگی
میں اپنی نیک عادتوں سے خوش وخرم رہیں گے۔ ماں کی مامتا ایک قدرتی
جوش محبت ہے، جو سب ماؤں کے دل میں بھری رہتی ہے۔ رات کو
جس وقت ہم عالم تنہائی میں۔ اپنے کلیجہ کے ٹکڑوں کو بھینچ بھینچ کر
لپٹائیں تو ہم کو سب سے پہلے یہ خیال کر لینا چاہئے کہ ان کی پرورش
آسان کام نہیں۔ ہم خواہ ان کو آدمی بنا دیں یا جانور جو کچھ یہ ہم
سے سیکھیں گے وہی انکی زندگی ہوگی اور وہی انکی دنیا، گویا ماں
کی زندگی اس کے واسطے سبق ہوگی۔ ماں اس کی ماں بھی ہے، استاد
بھی ہے، دودھ بھی پلائے، سبق بھی دے۔ ہم سب نے ماں کی گود
دیکھی ہے لیکن وہ وقت ہم کو یاد نہیں، ہاں اس سے تھوڑی دور
آگے بڑھ کر جو زمانہ آیا وہ ضرور یاد ہے۔ اس شفقت و محبت کو یاد کرو
ماں کی تصویر تمہارے آنکھوں کے سامنے پھر جائیگی، اور ہم کو
تسلیم کرنا پڑے گا کہ جو کچھ سیکھا اسی سے سیکھا اور اسی طرح
اب جو کچھ تم اپنے بچوں کو سکھاؤگی وہ سیکھیں گے۔ اس ذمہ داری سے
غفلت ایسی غفلت ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔ کیونکہ آئندہ
کی نسلیں اس سے برباد ہونگی اور یہ ایسا نقصان ہوگا کہ جس کی
کوئی تلافی نہیں ہوسکتی۔ چوتھی صدی عیسوی کا ذکر ہے کہ
افریقہ میں ایک شخص آگسٹن پیدا ہوا۔ اس کی ماں مونیکا
نہایت دیندار اور نیک عورت تھی۔ مگر باپ ایک لامذہب

اور آوارہ آدمی تھا، بدقسمتی سے آگسٹن پر باپ کا اثر زیادہ پڑا
اور وہ بھی شریر اور لامذہب ہوگیا۔ بیٹے کی اس حالت کا مونیکا پر بہت
گہرا اثر پڑا، وہ ہمیشہ اس کی بدقسمتی پر روتی اور اس کی اصلاح کے واسطے
خدا سے دعا کرتی، اگر باپ کے اثر نے آگسٹن کی طبیعت میں بری
بری عادتیں پیدا کر دی تھیں۔ مگر ماں کی پرورش کا اثر بھی شامل
تھا، جو کسی طرح زائل نہ ہوسکتا تھا، اور جس کا نتیجہ یہ تھا کہ خود آگسٹن
بھی بعض دفعہ اپنی حالت پر افسوس کرتا، اور اپنی زندگی پر نادم
ہو جاتا۔ اس نے اپنے حالات کی ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس کی
کیفیت پوری پوری درج ہے۔ اس کتاب کا نام کنفیشن ہے
جب باپ کے اثر سے وہ اپنی زندگی برباد کر چکا تو ماں کا دودھ بھی
خالی نہ گیا اور نیک نفس دیندار مونیکا کی گود میں جو خیالات ننھے سے
دماغ میں بیٹھ چکے تھے، وہ اب ابھرے اس نے اپنے افعال سے
توبہ کی اور خدا کے حضور میں اپنے گناہوں کی معافی مانگی، چنانچہ
وہ لکھتا ہے کہ اے حقیقی آقا تو نے میری ماں کی دعا کو سنا، اس
کی التجا قبول کی، میں سمجھتا تھا، اور دیکھتا تھا کہ جس وقت وہ تیرے
حضور میں حاضر ہوتی تھی اور اتنا روتی تھی کہ وہ جگہ آنسوؤں سے
تر ہو جاتی تھی، تو میں اس کی گریہ وزاری سے متاثر ہوتا تھا، یہ صرف
اس نیک خصلت ماں کی صحبت کا اثر تھا جس نے مجھ بھولے بھٹکے کو
روشنی دکھا کر تیرے حضور میں حاضر کیا۔ تم نے بھی سنا ہوگا کہ ماں کی دعا
خالی نہیں جاتی جس وقت آگسٹن نے اپنے افعال سے توبہ کی ہے اس روز مونیکا نے
خواب میں دیکھا کہ وہ ایک جنگل بیابان میں خاموش کھڑی ہے کہ دفعتاً ایک

شخص نے آکر کہا نینکا اسقدر خاموش کیوں کھڑی ہے اس نے جواب دیا
میں اپنے پیارے گسٹن کی بربادی پر رو رہی ہوں اس شخص نے کہا خوش
ہو جا آج سے گسٹن نے توبہ کی اور اپنی عادتیں چھوڑ دیں۔ بیبیو! غور
کرو کہ ایک بچہ کی بربادی کا اثر ماں پر کتنا تھا۔ یہ خواب دیکھتے ہی نینکا
بچہ کی تلاش میں روانہ ہوئی۔ سمندر پار اور جنگل طے کئے اور بغداد
تک پہنچی جہاں اسکا پیارا بیٹا گسٹن موجود تھا۔ اسوقت گسٹن لکھتا ہے
رات ہو چکی تھی۔ اسٹریا کا ایک خوبصورت باغ ہماری آنکھوں کے سامنے
تھا اور ہم ماں بیٹے خدائے برتر و برحق کی عظمت پر بحث کر رہے تھے۔ دفعتہً
نینکا نے مجھکو گلے لگا لیا وہ روئی اور کہا میری یہی ایک آرزو تھی کہ
کہ میرا لال دنیا کے واسطے ایک نمونہ ہو اور وہ روح جو میرے دودھ
سے پلی ہے دنیا سے پاک صاف رخصت ہو۔ آج میری آرزو پوری ہوئی
اب مجھے یہاں رہنے کی ضرورت نہیں۔ نینکا نے اسی رات انتقال کیا
گر دیکھو پرورش کے یہی معنی ہیں کہ ماں اس کی ذمہ داری کو اسی حد تک سمجھے
حضور اکرم کا ارشاد ہے المراۃ راعیۃ بیت زوجہا و ولدہ عورت اپنے شوہر کے
گھر میں اور اولاد پر حکمران ہے جب تم اپنے گھر کی با اختیار ملکہ ہو تو اپنے
ہر فرض کو سمجھو اور اس کو پورا کرو، جب قدرت کسی لڑکی کو یہ خدمت سپرد
کرے تو لازم ہے کہ وہ لڑکی ابتدا ہی سے ہر قسم کی احتیاط کو کام میں لائے
شاید پہلے بھی ضمناً یہ کہہ چکی ہوں کہ ایسے موقع پر بعض لڑکیوں کو قے اور جی
متلانے کی شکایت ہو جاتی ہے اس کے واسطے میں نے پچھلے کسی لیکچر میں
کوئی دوائی بھی بتائی تھی اور آج پھر بتاتی ہوں سرمہرہ دریائی ناریل پنیا عرق
کیوڑہ اور بید مشک میں گھس کر پینے سے بہت فائدہ ہوتا ہے ایسی حالت میں نہ تو جی متلاتا ہے

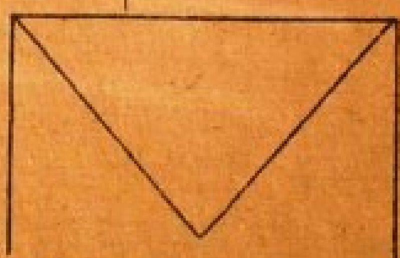
نہیں ہے بلکہ زیادہ چیخنا کوٹھے پر چڑھنا، کسی ایسی کتاب کا پڑھنا یا
ایسا گانا سننا بھی ٹھیک نہیں ہے، جو موثر ہو، بے انتہا خوشی اور
معمولی غصہ بھی مضر ہے، لیمپ یا چراغ بجھانے کے بعد جو دھواں
نکلتا ہے اس کا بھی پیٹ میں پہنچنا اچھا نہیں، متعلقین کا فرض
ہے کہ وہ ایسی لڑکی کو جہاں تک ممکن ہو رنجیدہ ہونے سے محفوظ رکھیں
تازی ہوا بالخصوص دریا کے قریب کی بہت مفید ہے۔

انگھڑ اور ناتجربہ کار دائیوں کے ہاتھ سے بیسیوں بچے اور لڑکیاں
ضائع ہوتے ہیں، کیونکہ ان دائیوں کو کسی قسم کا علم تو ہوتا نہیں
صرف اپنی بڑی بوڑھیوں کو یہ پیشہ کرتے دیکھتی ہیں اور خود بھی
دائی ہو جاتی ہیں، بچہ کی پیدائش کے وقت سب سے بڑی مدد قدرت
کی ہوتی ہے اور دائی کو معمولی کام جو ہر عورت کر سکتی ہے کرنا
پڑتا ہے لیکن اگر کوئی بات ٹیڑھی پڑ گئی تو یقیناً یہ انگھڑ دائی منہ
تکتی رہ جائے گی۔ اس لئے یہ زیادہ مناسب ہے کہ ایسے موقع پر تجربہ کار
پڑھی لکھی دائی کو بلایا جائے جب تک ایک دو بچے نہ ہو جائیں کسی عورت کو
یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ کس کس چیز کی ضرورت کس کس موقعہ پر ہو گی سب سے
پہلے ایسے موقعہ پر بہت سا پرانا گودڑ کاربالک صابن سے اچھی طرح دھو کر
گھر میں تیار رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ بہت سے کاموں میں آتا ہے، زچہ
کے واسطے کم از کم چار پرانے مگر اجلے اور صاف جوڑے، ململ کی
چار پٹیاں سر کے دو کسابے، اچھے تولئے بچہ کے واسطے وائولیٹ
فیس پوڈر، بورک لوشن، فلالین کے چار ٹکڑے، ایک کنٹوپ، چار سیفٹی
پن، چار جوڑی موزے، شہد کی ایک شیشی اور ایک چاقو ہر وقت گھر میں موجود

رہنا چاہیئے۔ بچے کے واسطے ایک کھٹولا حسب حیثیت جس پر اس کا بچھونا
بچھا ہو اور جس میں یہ چیزیں ہوں ضروری ہیں۔ تو شک لائی چند نہالچے
تین تکئے بارہ پوتڑے جو مرکیوری لوشن سے تر کر کے خشک کر دیئے
گئے ہوں اس کے علاوہ ایک ٹب ایک سپنج، ایک بکس پوڈر پف دہونی
تی کا تیل ایک بوتل، روغن بادام ایک شیشی، ایک لوٹا اور ایک سلاچی
بچہ کی پیدائش ہوتے ہی اس کے منہ اور تمام جسم کی میل و آلائش
بالکل صاف کر دینی چاہیئے۔ آنکھ کی صفائی نہایت ضروری ہے
اگر غفلت کی گئی تو ہمیشہ آنکھ خراب ہوگی۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ بچہ پر سردی کا بہت ہی سخت اور
فوری اثر ہوتا ہے اس لئے سردی کی حفاظت نہایت ہی ضروری
ہے موسم کے اعتبار سے فلالین یا کوئی سوتی کپڑا فوراً اسکو اڑھا دینا
چاہیئے اگر ممکن ہو تو گرم پانی کی بوتل کپڑے میں لپیٹ کر اسکے بچھونوں
میں اس کے پاس رکھ دیں تاکہ ہوا کا زیادہ اثر نہ ہونے پائے اگر بچہ کا جسم
نیلا ہو جائے ہونٹ کانپنے لگیں اور بدن ٹھنڈا ہو جائے تو جان لو کہ سردی نے
اپنا اثر اس کی جلد پر کیا۔ اور جلد اس کو گرمی پہنچانے کی کوشش کرو
ایک پنگوڑا اگر خدا توفیق دے بچہ کے واسطے ضرور تیار کرو اس میں
یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اس کے سر کے نیچے ہی تکئے ہوں بلکہ دونوں
جانب کروٹوں میں تکئیاں بھی ضرور ہوں، بچہ کا منہ ڈھکنا غلطی ہے
خصوصاً گہوارہ میں کیونکہ یہاں تازہ ہوا کی سخت ضرورت ہے
بچہ کو سلانے میں تا کو بہت ہی احتیاط چاہیئے۔ ہر ہر پہلو سلانے سے
سر کیا پیدائش کے وقت جو نقص ہو جاتا ہے وہ بھی رفع ہو جائیگا بعض

بچوں کی چھاتیوں پر ورم ہو جاتا ہے اور دبانے سے ایسا معلوم ہوتا ہے
کہ دودھ سا نکل رہا ہے۔ ایسی حالت میں روغن زیتون آہستہ آہستہ ملنے
سے یہ شکایت رفع ہو جائے گی، شروع شروع میں دو تین دن تک
تیل کی مالش بہت اچھی ہے، نہلانے میں نال کی احتیاط نہایت
ضروری فرض ہے کیونکہ پانی پڑنے سے اس کے پک جانیکا اندیشہ
ہے۔ پندرہ روز تک تیل کی مالش اور پانی میں دودھ ملا کر نہلانے
سے بچہ کو بہت فائدہ ہوتا ہے۔ جو بچے کمزور ہوں انکو پہلے دودھ
اور پانی سے اس طرح نہلاؤ کہ ہاتھ پاؤں کہنی ران ہر عضو کو الگ
الگ دھو لو اور پھر روغن زیتون ملکر فوراً گرم کپڑا اڑھا دو، دودھ پلانے
کے بعد کبھی بچہ کو نہ نہلانا چاہیئے۔ نہلانے کے بعد دودھ پلانا اور دیر
تک سونے دینا ہمیشہ مفید ہے۔ بچہ کو اٹھانے میں بھی احتیاط لازم
ہے، شانہ کے نیچے بایاں ہاتھ اس طرح رہے کہ سر اور شانہ ہاتھ
پر آ جائے اور سیدھا ہاتھ ران اور کمر کے نیچے رہے۔ یہ ہمیشہ خیال رکھنا چاہیئے
کہ بچہ کے سر کو جھٹکا نہ پہنچنے پائے یہ بہت خطرہ کی بات ہے۔ پوتڑے
باندھنے کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ روئیں دار ملائم تولیہ کا رومال اس طرح باندھیں



ہمارے بچے اکثر پھوڑے پھنسی میں گرفتار رہتے ہیں کیونکہ انکا لباس
ٹھیک نہیں ہوتا بعض مائیں انگریزی تقلید میں گردن [illegible]

مائیں بچوں کو وقت کا پابند نہیں کرتیں اور آگے چلکر سخت تکلیف اُٹھاتی ہیں۔ اگر دودھ پینے کے بعد بچہ کو ہضم نہ ہو اور نکل جائے تو سمجھ لو کہ دودھ میں چربی زیادہ ہے، اس کی تدبیر یہ ہے کہ دودھ پلانے سے پہلے ایک چمچہ چونے کے پانی میں بچوں کو پلا دو تاکہ وہ دودھ میں حل ہو کر ہضم میں مدد دے۔ بعض مائیں اپنا دودھ ناکافی سمجھکر بچوں کو شیشی پر لگا دیتی ہیں اور دو دو دودھ آدمی اور جانور کا ملکر نقصان پہنچاتے ہیں اس لیے جب تک اپنا دودھ پلا رہی ہے وہ ہرگز دوسرا دودھ نہ دے، اگر ضرورت مجبور کرے تو دو نو قسم کے دودھ پلانے میں کم از کم دو گھنٹہ کا وقفہ ضرور رہے۔ رنج غصہ اور صدمہ کی حالت میں بھی بچہ کو دودھ نہ پلانا چاہیئے۔ ورنہ بچہ بیمار ہو جائیگا۔ میں نے ایسی مائیں بھی دیکھی ہیں جو بچوں کو چسنی دینا اچھا سمجھتی ہیں۔ لیکن منہ میں چسنی دینا بعض دفعہ بہت مضر ہوتا ہے، زیادہ تھوک نکلنے سے بچوں کو بدہضمی ہوتی ہے۔

ہمارے ہاں بچہ کو دو برس دودھ پلانیکا حکم ہے اور ڈاکٹر بھی تحقیق سے اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ جب تک آٹھ دانت نکل آئیں دودھ نہ چھڑانا چاہیئے۔ دانتوں کا نکلنا ایسا نازک وقت ہے کہ بہت سی مائیں محض اپنی لاپرواہی سے معصوم بچوں کو قبروں میں پہنچا دیتی ہیں، اگر وہ ابتداء سے احتیاط کریں تو ہرگز دانت نکلنے میں بچوں کو یہ دقتیں پیش آتی ہیں آئیں ایسی غذاؤں سے جنمیں نشاستہ کا جز زیادہ ہوتا ہے یا خراب دودھ پلانے سے معدہ بگڑ جاتا ہے اور اس سے بہت امراض خصوصاً ام الصبیان پیدا ہو جاتا ہے، جو دانت کی

ہوئی جنبشیں کر دیتی ہیں۔ کرتہ تنگ اور چست ہوتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھیپھڑوں کو اچھی طرح پھیلنے کا موقع نہیں ملتا۔ ہمارا اپنا لباس کچھ کم موزوں نہیں۔ بشرطیکہ تنگ نہ ہو، کرتہ پائجامہ ڈھیلا ہو، پاؤں میں موزے ہوں، نیاپکے اور پوتڑے ایسے کپڑے کے ہوں جو جذب بھی کر سکیں، اور حرارت بھی پہنچا سکیں، خود ماں کا دودھ ہی ایک قسم کا مسہل ہے، لیکن بچہ کو اگر قبض کی شکایت ہو جائے تو ایک چمچہ کسٹرائل تیسرے چوتھے روز دیدینا چاہیئے۔ املتاس کی گھٹی بہت بُری چیز ہے اور بغیر ضرورت سے بھی مرض پیدا ہونے کا احتمال ہے بچہ کی صحت کا دارومدار زیادہ تر ماں کی غذا پر بھی ہے اسلیئے ماں کو ایسی چیزیں جو بچہ کی صحت کیلئے مضر ہوں، جب تک وہ دودھ پلاتی ہے نہ کھانی چاہئیں۔ بغیر ترکاری کا زیادہ گوشت، کچی ترکاریاں تیز چار سخت کانی ثقیل چیزیں ضرور نقصان پہنچائیں گی۔ جہاں تک ممکن ہو ماں کو خود ہی دودھ پلانا چاہیئے۔ کیونکہ قدرت کے انتظام کا نقصان بہت مشکل سے پورا ہوتا ہے رات کو دس بجے سے پانچ بجے تک بچہ کو کبھی نہ جگانا چاہیئے اور کوشش یہ کرنی چاہیئے کہ اس عرصہ میں جہاں تک ممکن ہو ماں بچہ کو بالکل دودھ نہ دے۔ جب بچہ کو اس کی عادت پڑ جائے گی تو ماں بہت سی تکلیفوں سے بچے گی اور ان پھوہڑ ماؤں کی طرح جو رات بھر خیر خیر کرواتی رہتی ہیں، دوسروں کو ہنسنے کا موقعہ نہ دیگی، اگر بچہ رات کو جاگ اُٹھے اور روئے تو ایک چمچہ کنکنا پانی پلا دینے، رومال بدلنے اور دوسری کروٹ سلا دینے سے بچہ فوراً سو جائیگا، چار گھنٹے سے کم میں دوبارہ دودھ پلا دینا بچہ کی تندرستی خراب کرتا ہے تجربہ کار

تکلیف میں اچھی طرح ظاہر ہوجاتا ہے۔ جوں جوں دانت نکلنے شروع ہوں بچہ کی غذا میں تبدیلی ہونی ضروری ہے اور اگر اس عرصہ میں کسی قسم کی شکایت بچہ کو ہو جائے تو فوراً اسکا علاج کرنا چاہیے تشنج یا خفیف بخار میں سفوف دار چینی یا کسٹرائل دینا بہت اچھا ہے اور ان معمولی شکایتوں کو دفع کرتا ہے، دانت نکلتے وقت سب سے بہتر علاج یہ ہے کہ دودھ وقت مقررہ پر پلانا چاہیے اور اس وقفہ میں اچھی طرح پانی پلانا چاہیے جسقدر زیادہ سے زیادہ ممکن ہو تازہ ہوا بچہ کو پہنچائیں اور غذا ضرورت سے زیادہ نہ کھانے دیں نہ ایسی چیزیں جو دیر ہضم اور ثقیل ہو، دانت نکلنے میں سوڑوں میں سلسلاہٹ ہوتی ہے۔ ان دنوں میں ایسا کپڑا پہنے جسکا رنگ چھٹتا ہو کیونکہ بچہ ہر چیز مسوڑوں میں لیجانیکی کوشش کرتا ہے ایسے موقعہ پر ملیٹھی کی چسنی یا ہاتھی دانت کی انگریزی چسنی مفید ہے۔ افیون کا دینا بچوں کے لئے بہت ہی برا ہے جو آئندہ انکو سُست و کاہل بنا دیتا ہے۔

تقریر ختم ہوئی تو انجمن کی طرف سے شکریہ ادا کیا گیا۔ اور نسیم بیگم وہاں سے روانہ ہو کر اپنے گھر آئیں۔

(۳۰)

رابعہ کا گھر ہی ہاتھ سے جا رہا تھا۔ ورنہ کہاں نسیم بیگم اور کہاں یہ انجمن کی تقریریں اتنے دنوں بعد جو گھر پہنچیں تو سب نہال ہو گئے، پر محلہ تک کی بیویاں آئیں۔ شکوے ہوئے شکایتیں ہوئیں، کسی سے معذرت کی، کسی سے معافی مانگی، غرض وہی نسیم بیگم، وہی بچے اور وہی اوقات۔

اب نسیم کی شادی کو اٹھارہواں سال تھا، پہلوٹی کا ایک بچہ ضائع ہونے کے بعد

جس طرح اس نے خلق اللہ کو فیض پہنچایا اسی طرح قدرت نے اس کی بیل بڑھائی وہ اسوقت چھ بچوں کی ماں تھی، بڑا لڑکا وسیم سولہویں سال میں بی اے کی تیاری کر رہا تھا اور اس سے چھوٹی تسنیم تھی تو پندرھویں ہی برس میں مگر ماشاء اللہ اس قیامت کا اٹھان تھا کہ نسیم بھی اس کو دیکھ دیکھ جی جاتی تھی، اس سے چھوٹے دو بچے اور دو چھوٹی بچیاں۔

دنیا اپنے کاموں میں مصروف ہے اور قدرت کے قانون خاموشی کے ساتھ اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ نسیم بیگم کی بیش قیمت زندگی کی صبح دوپہر ہوئی اور بالآخر وہ وقت بھی آ پہنچا جب یہ دوپہر ڈھلنی شروع ہوئی اور آفتاب نصف النہار پر آ گیا کل کی بات ہے کہ بی نسیم بیگم اس فانی دنیا میں بچہ تھیں اور پھر وہ دن بھی آیا جب دلہن بنکر پھوپی کے گھر سے رخصت ہو اپنے گھر کی ملکہ اور ساس کی بہو بنیں مگر نسیم کی زندگی ایک ایسا دریا تھا جس کی لہریں ہزارہا بندگان خدا کو سیراب کر گئیں، ایک چمن تھا جس کے پھول ایک عالم کو معطر کرتے رہے۔ بیٹی بنی تو ہیرا۔ بیوی بنی تو پارس، ماں بنی تو کندن، اور انسان بنی تو چندن، زندگی کی گھڑیاں پر جواہرات کی طرح چمکی اور کوہ نور کی طرح دمکی، دنیا نے اس کے افعال سر آنکھوں پر رکھے اور عالم بالا کی مقدس روحوں نے اس کے اعمال پر تحسین کی، عمر کا بیش بہا حصہ خدا کی عبادت اور خلق خدا کی خدمت میں صرف ہوا تھا۔ آثار ضعیفی جلد نمودار ہوگئے ہاتھ پاؤں میں وہ کس بل نہ رہا جسم میں توانائی نہ رہی۔ مرے پر سو درے نزلہ نے اور بھی غضب ڈھایا کہ چاروں ڈاڑھیں نکل گئیں۔

تسنیم کا فکر نسیم کے سر پر ہر وقت سوار تھا، مگر خوش قسمتی سے یہ فکر زیادہ نہ رہا اور پھوپھی کی دور اندیشی نے جلد نسیم کو اس سے سبکدوش کر دیا۔

لڑکے کنبہ میں بہت سے تھے مگر سب ناکارہ نالائق اور آوارہ، ہاں اسکی حقیقی ماموں زاد

بہن کماؤ کا بیاہ غنیمت تھا۔ نسیمہ کی شہرت کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بج رہا تھا جس نے تسنیم کو چار چاند لگا دیئے۔ لڑکے والوں کا اشارہ پاتے ہی نسیمہ نے ہاں کر لی اور تاریخ ٹھہر گئی۔

قسیم بیٹی کے بیاہ پر ایک مہینہ کی چھٹی لیکر آیا۔ نسیمہ ان پھوہڑ بیویوں میں نہ تھی کہ عین وقت پر شوہر کے آگے مصیبت کا پہاڑ ڈالدیتی۔ تسنیم دو ہی برس کی تھی کہ اس نے آنے والے وقت کو سوچا اور جو ممکن ہو سکا کبھی دوپٹہ، کبھی پاجامہ کبھی قمیص کبھی مصالحہ لیا اور اس دن کے واسطے رکھدیا۔ قسیم گھبرا رہا تھا کہ دیکھئے بیٹی کیا کچھ اٹھوا کر بیچا چھوڑتی ہے۔ مگر نسیمہ نے چودہ جوڑے نہایت قیمتی ٹکے ٹکائے سلے سلائے میاں کے آگے ڈالدیئے، بہت سی چیزیں اپنے جہیز کی محفوظ تھیں وہ ملائیں اور زیور کے سوا کوئی بوجھ بھی میاں کے سر پر نہ رکھا۔ وداع کا دن آیا تو نسیمہ صبح کے وقت ایک کونہ میں تنہا بیٹھی تسنیم کی جدائی کا خیال کر رہی تھی کہ قسیم جڑاؤ گلوبند لیکر آیا، اور کہا بیگم میری رائے میں مالا موقوف کر دو آخر دو بچیاں اور بھی تو ہیں۔ ان کا خیال کرنا ضروری ہے۔

نسیمہ کی پندرہ برس کی کمائی تسنیم جیسی بیٹی ماں سے چھوٹ رہی تھی۔ بیٹی کا فراق معمولی بات نہ تھی سوچ رہی تھی کہ تسنیم اپنے گھر چلی، آنکھ بند کرکے پندرہ برس گذر گئے، میری بچی اس گھر کی مالک نہیں، میری مہمان تھی آج اس کی مہمانداری ختم ہوئی اور وہ مجھ سے میرے گھر سے رخصت ہوتی ہے کیسی غریب بچی جس نے آجتک مجھکو جواب نہ دیا۔ بارہا خفا ہوئی بیسیوں دفعہ گھر کا اور منہ دیکھکر چپکی ہو گئی پلنگ سونے کا کونہ، بیٹھنے کا کمرہ کپڑوں کی الماری آج سب اس سے جدا ہوتے ہیں اسکا بچپن میرے سامنے ہی بھائیوں کی ماریں کھائیں بچکا غصہ سہا اور کبھی اُف کی دو برس کی جان رات بھر بلبلے چیخ چاخ کے پر نہیں اکیلا چھوڑ کر گئی دلہن آئی ہوں تو کسطرح گلے میں ہاتھ ڈالکر چپٹی ہے بیچ اسکی

قدر نہ کی۔ وہ میری محتاج تھی، جو ہاتھ اٹھا کر دیدیا، وہ کھا لیا۔ جو بنا دیا وہ پہن لیا کیا خراب تقدیر اس کو کیا دکھائے۔ ایک دن کی بیاہی کالے کوسوں پردیس جا رہی ہے میں ہونگی، میرا گھر ہوگا، میرے بچے ہونگے، مگر اب تسنیم کہاں، نئی دنیا، اجنبی لوگ انوکھی باتیں کوئی خبر لانے والا نہ ہوگا کہ کیا گزری۔ مہینہ بھر بھی تو نہیں ہوا تیسرے پہر کو بھوک لگی۔ سالن نہ بچا تھا، اس کی چٹنی سے روٹی کھا، اٹھ کھڑی ہوئی میں اب اس کو کیا منہ دکھاؤں اور کس دل سے رخصت کروں، کلیجہ پر یہ خیال تیر برسا رہے تھے کہ قسیم نے آکر گلوبند ڈالا، بیتاب ہو گئی۔ آنسو نکل پڑے۔ قسیم نے پاس آکر تسلی دی، تو دل اور بھر آیا۔ روتی ہوئی اٹھی اور میاں سے یہ کہکر لپٹ گئی۔

"خدا کا واسطہ میرے زخموں پر نمک نہ چھڑکو"

"تسنیم کا حصہ آج تمہاری کمائی اور میرے مال میں سے ختم ہوتا ہے۔ وہ ہم سے چھوٹتی ہے، یہ ہمارے رحم کا وقت ہے، سرکار میری بچی کو اگر گلوبند بھی نہ دو تو اُف کرنیوالی نہیں، مگر سسرال اس کا کلیجہ طعنوں سے چھلنی کر دیگی جو زبان سے کہہ چکے ہو اس کی تعمیل اور جو ارادہ کر چکے ہو اُسے پورا کرو۔ وہ گھڑی گھڑی تم سے لینے نہ آئے گی گھر اس کے قدموں کو، میں اس کی صورت کو اور مامتا اس کی آواز کو ترسیگی مگر وہ مجھ سے ہزاروں کوس دور ہوگی۔ اس کی مسکین صورت بھولی باتیں آنکھ کے سامنے ہوں گی۔ اس کی چیزیں نظر کے روبرو، مگر پیاری تسنیم خدا اس کی عمر دراز کرے میرے پاس نہ ہوگی۔ فصل کے میوے، موسم کی ترکاریاں اللہ تمہارے بچوں کو نصیب کرے منوں آئیں گی۔ مگر تسنیم کا حصہ اس میں نہ ہوگا تم اس روز اپنا گلاس ٹوٹنے پر اتنے خفا ہوئے۔ آج کہتی ہوں خدا کی قسم تسنیم بے قصور تھی۔ گلاس وسیم نے توڑا تھا۔ مگر اس کی زبان تمہارے سامنے نہ اٹھی۔ باورچیخانہ میں جا کر

رونے لگی۔ میں نے آواز دی تو اوڑھنی سے آنسو پونچھ میری پیٹھ کے پیچھے آبیٹھی ساری ساری رات بچوں کو لئے ایک ٹانگ سے پہری ہے۔ اس نے اس گھر کی خدمت ماماؤں سے زیادہ کی ہے۔

"اس کا حق کاٹ کر مجھے تکلیف نہ دو"

ماما قسیم اور نسیمہ دونو کی تھی، بیوی کا یہ بیان اتنا دردانگیز تھا کہ اس کی بھی روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ اُلٹے پاؤں گیا اور مالا لے کر آیا۔ تو نسیمہ نے کہا "تم چونکہ زبان سے کہہ چکے تھے اور سب کو یہ خبر ہوگئی تھی کہ مالا جہیز میں ہے اس لیئے اب دینا مناسب نہ تھا۔ صرف اس لیے میں نے تم سے کہا۔ لیکن تمہاری رلے نہ ہو تو نہ دو"

قسیم۔ میں خود نادم ہوں، کہ جس بات کو زبان سے نکال چکا تھا اس کے پورا کر نیکا خیال میرے دل سے کیوں نکل گیا۔ اب تم بسم اللہ کرو۔

وداع کے دوسرے روز تسنیم اپنے شوہر کے ساتھ حیدرآباد روانہ ہوئی اس کے دل پر جو کچھ گزری وہ تو دی اچھی طرح جانتی ہوگی۔ مگر پانچویں روز کی ڈاک میں جب اسکا خط نہ آیا تو ماں نے جو خط لکھا وہ یہ تھا۔

تسنیم پیاری کو گھر بھر کی دعائیں۔ تمہارا خیریت سے پہنچنے کا تار تو آگیا تھا، مگر آج خط نہ آنے سے طرح طرح کے وہم دل میں آرہے ہیں تسنیم پیاری جس ماں سے تم جیسی بیٹی جدا ہوئی اس کی کیفیت کا خود ہی اندازہ کرو۔ یہ دل جواب صرف اس لائق رہ گیا ہے کہ تمہاری یاد میں تڑپے اور تمہارے خیال میں بہلے۔ خیریت کے دو حرف لکھکر اس کی پیاس بجھاؤ۔ میں جانتی ہوں کہ تم خود پریشان ہوگی۔ نیا فراق ہے اور تازہ جدائی، ماں باپ اور بہن

بھائی سب آنکھ کے سامنے ہونگے۔ مگر بیٹی زندگی کا یہ انقلاب اس خواب کی تعبیر ہے۔ جو عورت کی روح نے عالم بالا پر دیکھا اور جس پر حیات نسوانی کا دارومدار ہے۔ میرا دل دیکھو۔ تم جیسی بچی جسکو راتوں سینہ پر لٹایا اور چھاتی پر کھلایا۔ اسکو اپنے ہاتھوں ہزاروں کوس و بھیج خالی ہاتھ ہو بیٹھی۔ کیا کروں دنیا کا یہی دستور ہے۔ پھوپی جان جیسی ماں جنہوں نے اپنی زندگی مجھپر مٹادی، آج ایک شہر میں بیمار پڑی ہیں اور گھر کے دھندوں دنیا کے بکھیڑوں سے اتنی فرصت نہیں کہ گھڑی بھر کو ہو آؤں۔ مجھ جیسی ہزار مائیں ایسی پھوپی پر قربان ہوں جو بیماری میں بھی میرا کلمہ پڑھ رہی ہیں اُن کے مقابلہ میں تمہاری آدھی خدمت اور چوتھائی محبت بھی نہ کر سکی دم بھر نہ دیکھتی تھیں تو بچین ہو جاتی تھیں۔ لیکن جدائی اٹل اور فراق امنٹ تھا۔ جن ہاتھوں سے لوریاں دے دیکر جھٹایا تھا ان ہی ہاتھوں سے پالکی میں سوار کر دیا۔ نکاح عورت کی شرافت کو پرکھنے کی ایک کسوٹی ہے۔ بڑوں کی لاج اور باپ دادا کی عزت اسوقت عورت کے ہاتھ ہے۔ مرد کو تکلیف کا سامنا عمر بھر رہتا ہے لیکن عورت کی آزمائش کا وقت یہی ہے۔ اس کٹھن راستے کی ابتدائی منزلیں کڑی ہیں محبت سے طے کرو تو لالوں کی لال ہوگی۔ تم ظاہر تنہا ہو مگر نہیں سادات کا خون تمہارے ساتھ ہے، میر تقی جیسے دادا اور میر زاہد جیسے نانا کی شان تمہارے ہاتھ۔ مفلسی میں صبر رنج میں شکر، سختی پر خوش۔ زیادتی پر خاموش، ہر حال میں راضی۔ ہر حالت میں رضا عورتوں کا شیوہ ہے۔ مصیبت سے گھبرانا، آفت سے اکتانا

لاپروا تھا سے ہراس۔ بے اعتنائی سے بدحواس۔ جو ہر شرافت نہیں
تسنیم پیاری کوار تیہ ایک نعمت تھی وہ بے فکری کے دن اور اطمینان
کی راتیں ماں کی دہلیز اور باپ کے گھر پر ختم ہو گئے اصلی گھر وہی تھا
جہاں پہنچ گئیں۔ یہ کوچ تھا وہ مقام۔ یہ پردیس تھا وہ دیس۔ یہ سفر
تھا وہ گھر۔ یہاں کی محبتیں جھوٹی تھیں، یہاں کے تعلق عارضی یہاں
کی باتیں یہاں تھیں اور وہاں کے معاملے وہاں۔ اب جو بوؤ گی وہ
کاٹو گی، جو کرو گی وہ پاؤ گی۔ میں ماں تھی ناز برداری میرا کام اور
خوشامد میرا جوش محبت تھا، مگر ساس غیر ہیں نکتہ چینی انکی طبیعت
اور اعتراض انکی طینت ہو گی۔ میں ہنساتی تھی اور روتی تھی وہ
رلائیں گی اور ہنسیں گی۔ نئے دلوں میں گھر کرنا آسان نہ ہو
مگر مشکل بھی نہیں۔ اطاعت کے میٹھے پھل اور خدمت کے شیریں
ثمر تمہارے سامنے موجود ہیں۔ بہن بھائیوں کا خیال اور ماں باپ
کی محبت ختم کرو۔ یہ رشتے وہاں کام آنے والے نہیں۔ ہاں مرے
عزیزوں اور بزرگ روحوں کی آنکھیں تمہاری اس نئی زندگی
پر لگی ہوئی ہیں تسنیم پیاری بہت نازک وقت ہے ایسا نہ ہو
کہ بزرگوں کی نظریں ناشاد واپس ہوں اور ہماری امیدیں
نامراد رہیں۔

(۳۱)

تسنیم کی شادی کو تیرہواں دن تھا کہ وسیم کے امتحان کی کامیابی کا تار آیا۔ اسکی
شادی کا التواء صرف نتیجہ کا انتظار تھا۔ وسیم کی چھٹی میں بس بارہ روز باقی تھے بیٹی
والوں نے تقاضہ کیا تو نسیمہ بھی رضامند ہو گئی اور شادی کی تیاریاں شروع

ہوئیں۔ نکاح سے دو روز قبل صبح کے وقت ایک دن نسیمہ نے سمدھن سے اپنے
آنے کی اجازت مانگی، وہ بیچارے اگلے زمانہ کے لوگ ان باتوں کو کیا سمجھتے لڑکی
کی ماں پریشان ہو گئیں بے وقت سمدھن کا آنا کیسا۔ طرح طرح کے وہم آنے لگے
کہلا تو بھیجا کہ بوا پوچھوانے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہارا گھر ہے شوق سے آجائیں
مگر دل کا اللہ ہی حافظ تھا۔ کبھی یہ خیال ہوتا تھا کہ کسی نے لگائی بجھائی کی
کبھی یہ سوچتی تھیں کہ بات الگ ہو گی، کسی پر غصہ کسی پر خفگی۔ اس پر بھی صبر آیا
تو دلہن کے سر ہو گئیں کہ تجھ جیسی منحوس بیٹی خدا دشمن کو نہ دے اول تو کوئی بات
ہی ڈھنگ کی نہ جڑی اور جڑی تو بھاگوں ایک وہ جگہ چھینکا ٹوٹا تو وہاں یہ تیر
پڑے۔ خبر نہیں کون سا بھاگوان وقت ہو گا جو تو اس گھر سے غارت ہو گی۔ میری
تقدیر میں تو دو دو تیر بھی تھے کہ کسی طرح سرکائے نہیں سرکتے۔ دن کی بھوک رات
کی نیند سب اڑ گئی۔ مگر تم کمبختیں کسی طرح نہیں اٹھتیں۔ میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ یہ
منڈھے چڑھنے والی نہیں۔ کہاں وہ لوگ پوتڑوں کے رئیس اصل نسل سید، گھر کے مالدار
کوئی ڈپٹی کوئی تحصیلدار، کہاں ہم بدنصیب دن بھر کبوتر، رات بھر تماش
اور شطرنج۔

بیچاری بگڑ رہی تھیں کہ نسیمہ بیگم کی سواری پہنچی۔ دیکھتے ہی رنگ فق ہو گیا۔
گلے تو مل لیں، مگر بیٹھی ہوئی منہ تک رہی ہیں کہ دیکھئے بیٹی کی تقدیر کا کیا فیصلہ
ہوتا ہے۔ کچھ دیر تک نسیمہ ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں مگر سمدھن کیا خاک جواب دیتیں
پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ جوں جوں دیر لگتی تھی ا[illegible]
ہو رہا تھا۔ آخر تاب ضبط نہ رہی تو کہہ ہی دیا [illegible]
فرمائیے خیر تو ہے۔
نسیمہ جی ہاں اللہ کا شکر ہے کچھ [illegible]

واسطے میرا آپ کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری تھا۔ زمانہ کی رسم کے بموجب شاید
آپ صاحبزادی صاحبہ کا آنا میرے سامنے پسند نہ کریں۔ گو میری ہزار دفعہ کی
دیکھی اور میری آنکھوں کے سامنے چھوٹی سے بڑی ہوئی ہے۔ ابھی تین مہینے بھی نہیں
ہوئے کہ پھوپھی جان کے ہاں ملی تھی۔ مگر اتنی عنایت ضرور کیجیے کہ ان کو بھی اس
گفتگو کے سننے کا موقعہ دیدیجیے، تاکہ اُنکی رائے بھی شامل ہو جائے۔

اب تو دلہن کی اماں کی باچھیں کھل گئیں۔ کمرہ کی پشت پر کوٹھری تھی، دلہن اس
میں بیٹھی تھی۔ کہنے لگیں آپ شوق سے فرمایئے وہ یہاں موجود ہے۔ یہ سنکر نسیمہ نے
کہا بہن اگر کوئی بات مرضی کے خلاف ہو۔ تو اُسی وقت کہہ دینا۔ تاکہ دل صاف ہو جائے
ہمارے ہاں سب سے بڑی غلطی یہ ہوتی ہے کہ اگر کوئی بات ناگوار بھی گزرے تو اس کو
پی کر دل میں بل لے بیٹھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ میل بڑھتے بڑھتے بیل ہو جاتا ہے
میں خدا کا شکر ہے تین لڑکیوں کی ماں ہوں۔ اور آج بائیس دن ہوئے کہ ایک بیٹی
کو بیاہ چکی ہوں۔ اس لئے مجھے یہ بہو بیٹی سے کم عزیز نہ ہوگی۔ اور مجھے تعجب ہوتا ہے
اُن ساسوں پر جو بیٹیوں کی ماں ہونے پر بھی بہوؤں کو بیٹیاں نہیں سمجھتیں۔ آپ کو
معلوم ہے میں نے تسنیم کے ہاں تمام فضول رسمیں اُڑا دی تھیں۔ چالے جن کو
میں اس لحاظ سے برا نہیں سمجھتی کہ لڑکی کا دل دونو جگہ آمد ورفت میں زیادہ نہ گھبرائے
اور وہ سسرال سے اچھی طرح مانوس ہو جائے۔ مگر اس لئے کہ اس میں بھی فضول روپیہ
صرف ہوتا ہے۔ میں نے پسند نہ کئے اور چونکہ دولہا کی چھٹی ختم ہو رہی تھی۔ نکاح کے

حیدرآباد روانہ ہو گئی تاہم وہ لوگ بہت سی اگلی باتوں کے
تسنیم کی شادی کو سترہواں نگت ناسب نہ سمجھی۔ لیکن آپ سے اتنا ضرور کہونگی
شادی کا التوا صرف نتیجہ کا انتظار تھا۔ میں زیور کو بھی اگر آپ ناخوش نہ ہوں
والوں نے تقاضہ کیا تو نسیمہ بھی رضامند، دوپٹے ڈال لیتے ہیں۔ لیکن جب باز آ